ہفت روزہ
ندائے خلافت
۲۷ دسمبر ۱۹۹۳ء

☆ اب اس راز کا افشاء ضروری ہے
☆ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے پیچیدہ مسائل
☆ کاش میرے سامنے جماعت کا یہ حشر نہ ہوتا!

ایٹمی توانائی کا حصول ہماری بقا کا مسئلہ ہے

"ہمیں صاف لفظوں میں یہ واضح کر دینا چاہئے کہ ہم "ایٹمی پھیلاؤ" کے اصولوں کا احترام کرنے پر آمادہ ہیں بشرطیکہ بھارت بھی آمادگی کا اظہار کرے۔ ہم یکطرفہ طور پر امریکہ کا کوئی فیصلہ اپنے اوپر نافذ نہیں ہونے دیں گے۔ راقم کا یقین ہے کہ امریکہ کو جب یہ احساس ہو جائے گا کہ پاکستان اب دو ٹوک فیصلوں پر اتر آیا ہے تو اس کے انداز تخاطب میں کافی تبدیلی رونما ہوگی۔ امریکہ پر یہ بات واضح کر دینی چاہئے کہ اگر پاکستان پر کوئی یک طرفہ فیصلہ تھوپنے کی کارروائی کی گئی تو وہ ہر دباؤ کا پوری جرات سے مقابلہ کرے گا۔ امریکہ پر یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ اگر ہمیں بھارت کا تابع مہمل بنانے کی کوشش کی گئی تو ہم پوری قوت کے ساتھ اس دباؤ کا مقابلہ کریں گے۔"

"پاکستانی قوم' سازشوں سے ڈرنے والی نہیں۔ ذرا سوچئے وہ کون سا حربہ تھا جو امریکہ نے ہمیں ایٹمی پروگرام سے دستبردار ہونے کے لئے استعمال نہیں کیا۔ ساری دنیا کو ہمارے خلاف چوکس کر دیا گیا۔ تجارتی رابطوں پر پہرے بٹھائے گئے۔ سراغ رسانی کے تمام ہتھکنڈے ہمارے خلاف استعمال کئے گئے ہمارے اوپر طرح طرح کی پابندیاں عائد کی گئیں۔ معاشی طور پر ہمیں شکنجے میں جکڑنے کی کوشش کی گئی۔ بھارت اور اسرائیل نے مل کر ہماری ایٹمی تنصیبات کو نشانہ بنانا چاہا مگر اللہ کا فضل و کرم ہمارے شامل حال رہا۔ ہمارے پروگرام کا کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکا اور ہمارے پروگرام کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کارگر ثابت نہیں ہو سکی۔"

"ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگر بحیثیت قوم ہم زندہ رہنے کا عزم کر لیں تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ بحیثیت مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ ہماری ایٹمی صلاحیت کو ختم کرنے کی طاقت نہ امریکہ کے پاس ہے اور نہ بھارت اور اسرائیل کے پاس۔ یہ ایٹمی طاقت (خاکم بدہن) صرف اسی صورت میں ختم ہو سکتی ہے جب پاکستان خود داخلی خلفشار کا شکار ہو جائے۔ ہمیں یہ بات کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اگر پاکستانی قوم نے اس وقت کسی کمزوری کا مظاہرہ کیا تو اس کا خمیازہ اسے صدیوں تک بھگتنا پڑے گا۔"

"آخر میں راقم اپنی بات پھر دہرائے گا کہ ہمارے ایٹمی پروگرام کے منجمد ہونے یا اسے خول پہنانے کے بارے میں پارلیمنٹ تحقیقات کرے اور اس پروگرام کو سرد خانے میں پہنچانے والے تمام عناصر کو قرار واقعی سزا سنائے۔ ایٹمی توانائی کا حصول ہماری بقا کا مسئلہ ہے اور اس پر کسی قسم کا سمجھوتہ کرنا راقم کے نزدیک اپنی موت کے پروانے پر دستخط کرنے کے مترادف ہے۔" ○○

(جنرل مرزا اسلم بیگ کی تحریر کا اختتامی حصہ جو نوائے وقت میں ۱۹ دسمبر کو شائع ہوا)

قیمت ۵ روپے

پشاور کے انگریزی روزنامے "فرنٹیئر پوسٹ" نے اپنے شہر میں

امیر تنظیم و داعی تحریک کی سرگرمیوں کا نمایاں ذکر کیا

Thursday, December 16, 1993

The Frontier Post

***Dr Israr Ahmad**, prominent religious scholar & leader of Khilafath Tehrik delivering a lecture in Peshawar on Wednesday. — F.P. photo by WAHEEDULLAH KHAN*

Wednesday, December 15, 1993

Popular democracy is un-Islamic, says Dr Israr

Need to introduce 'Khilafat' in country urged

By WASEEM AHMAD SHAH

Dr Israr Ahmad, a prominent religious scholar and leader of the Tehrik-i-Khilafat has termed the concept of popular democracy as un-Islamic and urged the Muslims to implement Khilafat in the country as well as throughout the world.

He, while delivering a lecture on "Political, constitutional, economic and social system of Khilafat in present age", in Peshawar on Tuesday, explained three points on the basis of which democratic system could be changed into Khilafat.

The first point, he stressed was that sovereignty of Allah Almighty should be an essential part of the constitution while the human beings had got the right of 'Khilafat'.

He added that the 'Objective Resolution' passed by the legislative assembly in 1949 was also based on the same factor, which means that in Pakistan it was accepted in principle but was not practically implemented.

The second point he explained was that what should be the practical shape of present day Khilafat? He said that it should be declared in the constitution that no legislation be done repugnant to Quran and Sunnah. He said that in such case the judiciary would be the custodian of constitution and if some differences emerged between the people and Caliph, it would be resolved through the judiciary.

About the third point through which popular democracy could be transformed into Khilafat, he said that in the new structure non-Muslims would not be allowed to participate in legislation as they were the viceroy of Allah Almighty on earth. He added that it was the responsibility of an Islamic state to take care of its non-Muslim inhabitants and also safeguard their sacred places.

He suggested that the presidential system could easily be transformed into Khilafat. He added that the president would be entitled to select his ministers who would be pious persons as in present system only millionaires can reach the assemblies.

(باقی اندرونی [illegible])

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۲ شمارہ ۵۱
۲۷/ دسمبر ۱۹۹۳ء

23

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۳ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۰ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۶ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ " "

اب اس راز کا افشاء ضروری ہے

۱۹ دسمبر کو نوائے وقت کے ادارتی صفحہ پر پاکستان کے سابق چیف آف آرمی سٹاف جنرل ریٹائرڈ مرزا اسلم بیگ کی ایک چشم کشا تحریر شائع ہوئی ہے جس میں انہوں نے ہمارے ایٹمی پروگرام کے تعطل یا "رول بیک" کی وضاحت کے ساتھ یہ صفائی بھی پیش کی ہے کہ اس سلسلے میں قومی مفاد پر اثر انداز ہونے والے جو بھی اقدامات کئے گئے' ان کا فیصلہ حکومتی مثلث نے بڑے غور و خوض کے بعد اتفاق رائے سے کیا تھا۔ مزید بر آں یہ الزام بھی بے بنیاد ہے کہ فوج یا فوجی قیادت کی طرف سے اس معاملے میں کوئی دباؤ ڈالا گیا تھا۔ جنرل صاحب نے ایٹمی پروگرام کے مختلف مراحل کو بھی کھول کر بیان کیا ہے جو عامتہ الناس کی معلومات میں گراں بہا اضافے کا باعث ہو گا اور جس سادگی سے انہوں نے وہ باتیں کھل کر کہہ دی ہیں جن کی طرف رمز و کنایہ میں اشارے کئے جاتے ہیں اس میں بناوٹ نظر نہیں آتی۔ ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ اپنے قول میں صادق ہیں اور لفظوں کی آتش بازی در حقیقت حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی طرف سے یہ خیال کئے بغیر جاری ہے کہ اس میں نقصان کس کا ہے اور فائدہ کس کا۔

یہ معاملہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اتنا نازک اور حساس تھا کہ کوچہ و بازار میں اس کے چرچے ہرگز روا نہ تھے لیکن ہمارے لیڈران کرام کی ناعاقبت اندیشی نے ساجھے کی یہ ہنڈیا بیچ چوراہے پھوڑ ہی دی تو ان تفصیلات کا سامنے آنا ضروری ہو گیا جو جنرل صاحب نے الم نشرح کر دی ہیں۔ ایٹمی صلاحیت ہم نے اپنی انا کی تسکین یا دنیا پر اپنی قابلیت کا سکہ جمانے کے لئے حاصل نہیں کی بلکہ اس کا براہ راست تعلق ہمارے دفاع سے ہے۔ ہم بہترین کوشش اور بقائے باہمی کی زیادہ سے زیادہ پر خلوص خواہش رکھ کر بھی اپنے پڑوسی کی طرف سے غافل ہو جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے اور اس سے لڑائی بھڑائی کے امکانات کو معدوم کے درجے میں رکھنے کی واحد عملی صورت یہ ہے کہ اسے اس امر کا یقین رہے کہ رقبہ' آبادی' وسائل اور عسکری قوت میں برابری کا ادعا نہ رکھنے کے باوجود ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں اور پتھر آج کے زمانے میں وہی ہے جس سے امریکی سینیٹر مسٹر پر-سلر نے برملا خوف زدگی کا اعتراف کیا اور "اسلامی بم" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

بر سر اقتدار جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کی سربراہ اور موجودہ وزیر اعظم بے نظیر صاحبہ نے اقتدار سے محرومی کے وقفے میں امریکہ جا کر یہ عذر پیش کیا تھا کہ فوج نے ایٹمی پروگرام کو ان سے مخفی رکھا اور شاید انہی کی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں "سرخ لکیر" عبور کر لی گئی۔ یہ ان کا سابقہ موقف تھا' اب وہ بطرز دیگر تجاہل عارفانہ کے اظہار کے ساتھ دہائی دیتی نظر آتی ہیں کہ اس حساس ترین معاملے پر کھلے بندوں بحث و تکرار قومی مفاد میں نہیں۔ دعویٰ ان کا اب بھی یہی ہے کہ ایٹمی پروگرام قوم کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اور اس پر بشمول امریکہ کسی کے اشارۂ ابرو کو خاطر میں نہیں لایا جائے گا لیکن شواہد اس بات کے ہیں کہ روٹھے ہوئے امریکہ کو منانا ان کی اولین ترجیحات میں شامل ہے۔ تو کیا انہوں نے دنیا کی واحد سپریم پاور سے پاکستان کا حق دفاع تسلیم کرا لیا ہے؟۔

دوسری طرف حزب اختلاف کے قائد اور سابق وزیر اعظم نواز شریف صاحب سارا الزام بے نظیر بھٹو پر ڈال کر ہاتھ جھاڑ دیتے ہیں۔ وہ یہ تو بتاتے ہیں کہ پی پی پی کے اقتدار کے پچھلے دور انئے میں ایٹمی پروگرام کو منجمد

(باقی صفحہ ۶ پر)

الہدیٰ

سورۃ البقرہ

(آیات ۱۷۴-۱۷۶)

حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ نے اپنی کتاب میں سے اتاری ہے اور اس کے عوض حقیر قیمت قبول کرتے ہیں' یہ لوگ اپنے پیٹوں میں صرف دوزخ کی آگ بھر رہے ہیں' اور نہ کلام کرے گا اللہ ان سے قیامت کے دن اور نہ انہیں پاک کرے گا' اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے○

(کہ مشرکین مکہ کی طرح یہود نے بھی اپنے شرارت نفس کے سبب سے کچھ حرام چیزوں کو اپنے لئے حلال اور بعض حلال چیزوں کو حرام قرار دے لیا تھا۔ اور اب جب کہ قرآن حکیم میں حلال و حرام کے واضح احکامات نازل ہو رہے تھے تو یہود قرآنی احکام کی تائید کرنے کی بجائے تورات کی باتوں کو چھپایا کرتے تھے۔ مثلاً اونٹ کے بارے میں یہود کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے حرام ہے حالانکہ تورات میں اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ کچھ اسی طرح کا معاملہ نصاریٰ یعنی عیسائیوں کا بھی تھا کہ جنہوں نے شریعت الٰہی سے بغاوت کرتے ہوئے شراب اور خنزیر کو مباح قرار دے لیا تھا۔ یہاں ان اہل کتاب کے بارے میں واضح کر دیا گیا کہ یہ لوگ کتمان حق کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اپنی دنیا بنانے کی خاطر جو دین فروشی یہ کر رہے ہیں یہ سراسر خسارے کا سودا ہے۔ یہ لوگ در حقیقت اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں جس کا اظہار قیامت کے دن ہو گا کہ اس روز نہ تو اللہ ان کی جانب التفات کی نگاہ فرمائے گا اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا کہ دوزخ میں اپنی سزا بھگت کر اور پاکیزہ ہو کر وہ جنت میں داخل ہو سکیں بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے)

یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے گمراہی خریدی ہے ہدایت کے بدلے اور عذاب خریدا ہے مغفرت کے عوض' تو کس قدر صبر کرنے والے ہیں یہ لوگ دوزخ پر○

(یہ وہ بدنصیب اور بدبخت ہیں جنہوں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری ہے۔ انہیں اللہ نے ہدایت کی دولت سے نوازا لیکن انہوں نے گمراہی کے راستے کو ترجیح دی' اللہ نے انہیں اپنی بخشش اور مغفرت کے حصول کا طریقہ بتایا لیکن انہوں نے اسے لائق اعتناء نہ سمجھا اور اللہ کا عذاب مول لے لیا۔ گویا انہوں نے اللہ کی رحمت کے مقابلے میں دوزخ کی آگ کو پسند کر لیا ہے اور اسی پر قانع ہو گئے ہیں۔ دوزخ کے معاملے میں ان کے صبر اور حوصلے کی یقیناً داد دینی پڑتی ہے!!!)

یہ اس لئے ہو گا کہ اللہ نے کتاب نازل فرمائی ہے حق کے ساتھ اور جن لوگوں نے اس کتاب کے معاملے میں اختلاف کیا وہ مخالفت میں بہت دور نکل گئے○

(کہ یہ لوگ اس انجام بد کے مستحق اس وجہ سے ٹھہریں گے کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے ایک ایسی کتاب نازل فرمائی جو قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے اور تمام جھگڑوں اور اختلافات کو رفع کر دینے والی ہے لیکن انہوں نے اس کے بعد بھی ہدایت کی جگہ ضلالت و گمراہی کو ہی اختیار کیا اور اب رسول اللہ ﷺ اور قرآن حکیم کی مخالفت میں بھی یہ محض اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث اس قدر آگے جا چکے ہیں کہ ان کے واپس لوٹنے اور تلافی مافات کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا!)

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے پیچیدہ مسائل

مشترکہ قومی موقف اپنانے کی ضرورت ہے

سڑکوں پر نعرے بازی ملکی مفاد میں نہیں

عبدالکریم عابد

پاکستان کے خارجی حالات میں بڑی پیچیدگی ہے۔ امور خارجہ اس نوعیت کے نہیں ہیں کہ سڑکوں چوراہوں پر پرجوش خطابت کے مظاہرے یا مخالفین کے مقابلے میں پوائنٹ سکور کرنے کی کوشش میں استعمال کئے جاسکیں۔ ملک و قوم کا مفاد عزیز ہے تو حزب اختلاف اور حزب اقتدار کو اپنی جنگ داخلی مسائل پر محدود رکھ کر خارجی مسائل پر ایک متفقہ قومی پالیسی طے کرنی ہوگی تاکہ حکومت طاقت اور حوصلہ کے ساتھ مختلف ملکوں اور طاقتوں کا مقابلہ کرسکے۔

سب سے بڑا مسئلہ امریکہ سے ہمارے تعلقات ہیں۔ یہ تو کبھی نہیں تھا کہ ہم امریکی مخالف کیمپ میں گئے ہوں کیونکہ ہم روز اول سے بھارت کے خوف کی بنا پر امریکی پناہ میں چلے گئے تھے اور امریکہ کے ذریعے اپنے آپ کو فوجی اور اقتصادی طور پر مضبوط کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہ پالیسی صحیح تھی یا غلط' اس بحث سے قطع نظر حقیقت یہ ہے کہ اس پالیسی کے نتیجہ میں ہمارا امریکہ پر اقتصادی اور فوجی انحصار بہت زیادہ رہا۔ گو ہم نے چین سے بھی تعلقات رکھے اور امریکی خود بھی چاہتے تھے کہ پاکستان کے راستے دیوار چین میں ایک کھڑکی کھولی جائے۔ جناب کسنگر اس کھڑکی کے راستے ہی پاکستانی افسروں کی معیت میں چین گئے اور اب یہ کھڑکی ایک شاہ درے میں تبدیل ہو چکی ہے۔

چین امریکہ اپنے اختلافات کے باوجود ایک دوسرے سے افہام و تفہیم کی راہ پر ہیں کیونکہ چین کو مارکیٹ اکانومی کے نئے دور میں داخل ہونے کے بعد مغرب کی سرمایہ کاری درکار ہے۔ یہ سرمایہ کاری وہاں پہنچ چکی ہے اور چین کی شکل بدل رہی ہے۔ اس وقت امریکہ چین کے لئے اہم منڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور خود چین امریکہ کے لئے اقتصادی' سیاسی' فوجی نقطہ نظر سے بے حد اہم ہے۔ اس کی تیز رفتار اقتصادی ترقی ۲۰۰۰ء میں اسے دنیا کی بڑی اقتصادی طاقتوں میں ایک بنا دے گی۔ گویا امریکہ اور چین کے یہ نئے رشتے مزید پروان چڑھنے والے ہیں۔

اس پس منظر میں یہ توقع رکھنا کہ چین کوئی مخالف امریکہ بلاک قائم کرے گا اور ہم بلاکوں کی سیاست میں دوبارہ ایک حلیف حاصل کرسکیں گے' غلط خیال ہے۔ چین امریکہ ہی نہیں بھارت سے بھی تعلقات بہتر بنانے کے لئے کوشاں ہے۔ چین میں بنیادی انسانی حقوق اور تبت کے مسئلے پر امریکہ میں شور ہے اور اس سلسلہ میں امریکہ پر دباؤ بھی ہے لیکن دونوں ملک اقتصادیات کو سیاسیات پر اہمیت دے رہے ہیں اور امریکہ میں بہت بڑی لابی چین کے حق میں ہے کہ امریکہ کے لئے نئی تبدیل شدہ صورت حال میں چین سے تعلقات اہم ہیں اور ہمیں اسلحہ کی فروخت ہو یا دوسرے معاملات' اپنا دباؤ کم رکھنا چاہئے۔

چین بھی ویت نام' کمبوڈیا اور شمالی ویت نام جیسے ہر ملک کے سلسلہ میں امریکہ سے تعاون کر رہا ہے۔ اس نے خلیجی جنگ میں یا کسی اور آپریشن میں اپنا ویٹو استعمال نہیں کیا۔ مشرق وسطی کے امن سمجھوتے اور اسرائیل کو تسلیم کرنے کے ضمن میں اس کی روش کو امریکہ میں مثبت سمجھا گیا چنانچہ اپنے دوست چین سے ہمیں ایسی توقعات وابستہ نہیں کرنی چاہئیں جو خوش گمانیوں پر مبنی ہوں۔ اس سے پہلے بھی ایسی توقعات پوری نہیں ہوئیں اور آئندہ بھی نہیں ہوں گی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ روس میں کمیونزم کے خاتمے کے بعد قوم پرستی کا ایک نیا انقلاب آرہا ہے اور نیا ہٹلر پیدا ہوگا جو سرد جنگ کے دور کو واپس لائے گا' اس وقت ہم ماضی کی طرح پھر قدر و قیمت کے حامل سمجھے جائیں گے اور ہماری قیمت لگائی جائے گی لیکن ایک تو یہ ہے کہ ابھی روسی صدر یلسن نئے آئین کے اختیارات کی وجہ سے طاقتور ہیں اور صدارتی طرز کے اس آئین کو تمام جماعتوں نے تسلیم بھی کرلیا ہے کہ حالت بے آئینی سے ایک آئین کا ہونا بہتر ہے بلکہ روسی قوم پرست رہنما ژرینوسکی توقع رکھتے ہیں کہ اگلے سال وہ صدارتی انتخاب میں کامیاب ہو کر اس آئین کے تحت مضبوط صدر بن جائیں گے۔

اگر یہ روسی قوم پرست رہنما ہٹلر بن کر ابھرتے ہیں تب بھی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ امریکہ کی اقتصادی اور سیاسی امداد کے زیر سایہ ہوں گے۔ ان کا ہدف یورپ ہوگا' مشرقی یورپ ہوگا' بالٹک کا علاقہ ہوگا اور سابقہ سوویت یونین کی ریاستیں ہوں گی۔ اس سے پہلے بھی ہٹلر یورپ کے لئے ہی نقصان دہ رہا' امریکہ کی تو جنگ میں چاندی ہوتی رہی اور یورپ کا دھڑن تختہ ہونے کے بعد وہ واحد سپر پاور بن گیا۔ اس لئے اب بھی روس سے نئے ہٹلر کا ظہور ہوگا تو اس کی یلغار

یورپ اور عالم اسلام کی جانب ہو گی۔ اسے آپ نہ امریکہ کے مقابلہ میں اپنا حلیف بنا سکیں گے اور نہ امریکہ اب روس کے ریچھ سے خوفزدہ ہو گا بلکہ یہ ریچھ دراصل امریکی سرکس منیجروں کا سدھایا ہوا ہو گا اور انہی کے اشاروں پر یورپ کو ڈراتا سہماتا رہے گا اور عالم اسلام کو بھی اس کے مقابلہ میں امریکہ اپنا محافظانہ کردار پیش کر کے قبضے میں لے گا۔

اس کے باوجود امریکہ اور روس میں کوئی حقیقی تضاد نہیں ہو گا۔ تضاد ہو گا تو وہ یورپ سے ہو گا یا ارد گرد کے مسلم علاقوں سے ہو گا اور اس کا یہ نیا سامراجی چہرہ امریکہ کی نئی سازش ہو گی' خاص طور پر جرمنی اور جاپان کی ابھرتی اقتصادی قوتوں کے لئے جن کو روسی قوم پرست لیڈر نے ایٹمی جنگ کی دھمکی بھی دی ہے۔ روس کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کی اقتصادیات تباہ ہو چکی ہے' اس کی روسی فیڈریشن کی سالمیت بھی ٹوٹ پھوٹ کے خطرہ سے دوچار ہے اور وہ اب امریکہ کی مدد سے روسی دولت مشترکہ کو بچانا اور چلانا چاہتا ہے۔ امریکہ نے یہ مان بھی لیا ہے کہ اس دولت مشترکہ کا علاقہ روس کی بالادستی کا علاقہ ہے مگر یورپ روس سے اور روس یورپ سے خوفزدہ ہے۔

حال ہی میں مشرقی یورپ کے ملکوں کو نیٹو میں شامل کرنے کے منصوبہ پر صدر یلسن اور دوسرے لیڈروں نے جس طرح غم و غصہ ظاہر کیا ہے' اس سے یورپ روس کشیدہ تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ دوسری طرف یورپ سے امریکہ کے معمولات بھی لیپا پوتی کے باوجود ٹھیک نہیں ہوئے۔ متحدہ یورپ' اس کی مشترکہ منڈی' مشترکہ کرنسی اور متحدہ پارلیمنٹ' سب کچھ امریکہ کے لئے پریشان کن ہے۔ فرانس اور جرمنی کے ساتھ خاص طور پر اس کی ان بن ہے اس لئے امریکہ چاہتا ہے کہ یورپ پر روس کو ایک لٹکتی تلوار کی طرح رکھے اور اس منصوبہ کے تحت روس اور یورپ کی سرد جنگ کا احیا مسلمان ممالک کیلئے فائدہ مند نہیں ہو گا بلکہ وہ روس کے نئے ابھار کی صورت میں امریکی شکنجہ میں زیادہ آ سکتے ہیں۔

ہمارا ایک مسئلہ ایران کا ہے۔ ایران نے عرب ملکوں کے مقابلے میں کشمیر پر پاکستان کے حق میں زیادہ واضح اور مضبوط موقف اختیار کیا ہے مگر ایک مصیبت یہ ہے کہ عرب و عجم کی جنگ چونکہ جاری ہے لہٰذا ہم ایران کو دوست بناتے ہیں تو عرب منہ بناتے ہیں اور عربوں کی طرف جاتے ہیں تو ایران کو شکایت ہونے لگتی ہے۔ ایران اور عرب ممالک دونوں ہی بھارت کو بھی اہمیت دیتے ہیں اور بھارت کے ساتھ اپنے کاروباری تعلقات کو وہ مزید ترقی دینا چاہتے ہیں۔ ایران اپنی گیس پاکستان کو اس شرط پر دینے کیلئے آمادہ ہے کہ آگے یہ بھارت کو بھی جائے ورنہ وہ کہتے ہیں کہ اقتصادی طور پر ہمیں اس منصوبہ کا فائدہ نہیں ہو گا۔

ترکی کے ساتھ تعلقات اچھے رہے لیکن اب ترکی میں امریکہ کے خلاف بے چینی پیدا ہو رہی ہے کہ وہ علیحدگی پسند باغی کردوں کی حمایت کر رہا ہے۔ ترکی اور روس بھی آمنے سامنے آ رہے ہیں کیونکہ سابقہ سوویت یونین میں ترکی نسل اور زبان کے لوگ امداد کے لئے ترکی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ قبرص کے معاملہ میں بھی ترکی کو مغربی دوستوں کی مخالفت کا سامنا ہے۔ اس لئے ترکی ہم سے دوستی نبھانے کے لئے جو کچھ ہو سکتا ہے' وہ ضرور کرے گا مگر کوئی بڑی عملی مدد اس سے نہیں مل سکتی۔

سب سے پریشان کن مسئلہ افغانستان کا ہے جہاں مجاہدین نے کابل پر بائیس ماہ پہلے قبضہ کیا تھا مگر ان کی خانہ جنگی کے خاتمے کے کوئی آثار نہیں ہیں اور افغان سرزمین کی لاقانونیت پھیل کر پاکستان میں بھی داخل ہو کر ہمارے لئے نئے نئے چیلنج پیدا کر رہی ہے۔

امریکہ کے ایما پر بھارت سے مذاکرات ہو تو رہے ہیں مگر صاف پتہ چلتا ہے کہ بھارت کوئی بات مان کر دینے کیلئے تیار نہیں اور بین الاقوامی دباؤ کے تحت اگر کوئی چیز طے ہو گی تو وہ پاکستان کے مفاد میں اور اس کے موقف کے مطابق بہرحال نہیں ہو گی۔ یوں ہمیں مسئلہ کشمیر کا حل بہت مہنگا پڑے گا اور نئی الجھنوں سے دوچار کرے گا۔ ایٹمی مسئلہ پر ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اسے منجمد کر دیا گیا ہے' کیپ کر دیا گیا ہے اور بھارت کے ساتھ سمجھوتہ ہو جائے تو دونوں مل کر اپنے ایٹمی پروگرام کو رول بیک بھی کر لیں گے۔ کشمیر کا کچھ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا لیکن بھارت اور پاکستان دونوں کو ایٹمی محاذ پر ایک قدم ضرور پیچھے ہٹانا ہو گا جس کے بغیر امریکہ چین سے نہیں بیٹھے گا۔

ان حالات میں امور خارجہ کے مسائل سڑکوں پر نعرے بازی سے حل نہیں ہو سکیں گے۔ اس کیلئے ایک مشترکہ قومی عزم اور رائے کی ضرورت ہے۔ اگر حزب اختلاف اور حزب اقتدار مل کر ایک موقف اختیار کریں تو پاکستان دباؤ کا مقابلہ کرنے کی بہتر صورت میں رہے گا ورنہ کمزور حکومتیں گھبراہٹ اور دباؤ کا شکار ہو کر ہر بات ماننے پر آمادہ ہو سکتی ہیں۔

اگر بیرونی دباؤ کا مقابلہ کرنا ہے تو یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ اس کیلئے طاقت باہر سے نہیں مل سکتی' یہ طاقت ہمیں اپنے اندر سے پیدا کرنی ہو گی۔ باہر سے تو سب یہی کہیں گے کہ دب کر صلح کر لو' اسی میں تمہاری بہتری ہے اور ہر جگہ سے بھارت کے مقابلہ میں دب کر صلح کرنے کیلئے دباؤ پڑے گا۔ اس دباؤ کا مقابلہ بیرونی نہیں اندرونی طاقت سے ہو سکتا ہے اور اندرونی طاقت اس وقت ابھر سکتی ہے جب ہم ایمان اور عمل کو اپنائیں اور جھوٹے معبودوں سے آس چھوڑ کر معبود حقیقی سے اپنا رشتہ مضبوط کریں۔ OO

بقیہ افتتاحیہ

کر دیا گیا تھا لیکن یہ نہیں بتاتے کہ اپنی حکومت کے اگلے ڈھائی برسوں میں خود انہوں نے اس پروگرام کو بدستور یخ بستہ رکھا یا پھر سے گرم کر دیا تھا۔

نواز شریف صاحب کی حکومت کے خاتمے پر تین ماہ کے لئے ملک ایک "نگران" وزیر اعظم کے حوالے رہا۔ ان کے زمانے میں بھی اس معاملے میں ضرور کوئی نہ کوئی پیش قدمی یا پسپائی ضرور ہوئی ہو گی جس پر تا حال اخفاء کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

ہمارا موقف تھا کہ ایٹمی صلاحیت جیسے معاملات پر عوامی بیانات دے کر سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش دونوں فریق ترک کر دیں اور مل بیٹھ کر ملک و قوم کے مفاد میں کم از کم ایسے نازک اور حساس مسائل پر تو ایک مفاہمت پر پہنچیں جن کی تفصیلات کا منظر عام پر آنا خلاف مصلحت ہے لیکن حزب اقتدار اور حزب اختلاف میں سے کسی نے بھی یہ دانشمندانہ طرز عمل اختیار نہ کیا تو اب یہ راز افشاء ہو ہی جانا چاہئے کہ پاکستان کو اپنے دفاع کے سب سے کارگر مادی وسیلے سے تہی دست کرنے میں کسی نے کیا کردار ادا کیا ہے۔ اسی کا مطالبہ جنرل صاحب نے بھی کیا ہے اور آج ہر پاکستانی کے دل کی آواز یہی ہے۔ OO

راولپنڈی میں خطبات خلافت

یہ بابرکت نظام صرف دعاؤں سے قائم نہ ہوگا

خالد محمود عباسی

سر سید پبلک سکول کے ہال میں تینوں دن تل دھرنے کو جگہ نہ تھی

"کہا نوحؑ نے میں پکارتا رہا اپنی قوم کو دن اور رات کے اوقات میں" "…. پھر میں نے ان کو برملا پکارا' پھر میں نے انہیں اعلانیہ اور چپکے چپکے بھی سمجھایا"۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ اگر تم اپنے پرودگار سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرلوگے تو وہ تم پر عنایات کی بارش کردے گا" اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو شرک کے اندھیاروں سے نکالنے کے لئے ہر طریقہ اور انداز اختیار فرمایا۔ یہ کام انہوں نے چند ماہ یا چند سال نہیں کیا بلکہ ساڑھے نو سو سال اسی طور پر پیہم دعوت دیتے رہے۔ جب قوم انجام بد سے دوچار ہوئی تو حضرت نوحؑ کے ساتھ چند گنے چنے افراد کشتی پر سوار تھے۔ اس قوم نے اللہ تعالیٰ کو نہ مانا جبکہ آج اللہ تعالیٰ پر ایمان بالغیب رکھنے کے دعویدار تو بہت ہیں لیکن اس کے احکامات پر چلنے والے محدودے چند ہی ہیں۔

مان کر بھی نہ ماننے والے اپنے بھائیوں کو بھولی ہوئی منزل یاد دلانے کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ العالی نے پہلے انجمن خدام القرآن کی تاسیس کی تاکہ پڑھے لکھے لوگوں کا تعلق قرآن سے جوڑا جاسکے' پھر تنظیم اسلامی قائم کی تاکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاکمیت و ملکیت میں ساجھے داری کو ختم کیا جاسکے اور آخر میں تحریک خلافت شروع کی ہے تاکہ عوام الناس کو دین کی دنیاوی برکتوں سے روشناس کرایا جاسکے۔ خلافت کے لئے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن کو شعور میں اجاگر کرنے کے لئے عوامی جلسے منعقد کئے اور اپنی عمر اور صحت کا لحاظ کئے بغیر دور دراز اور دشوار گذار علاقوں تک سفر بھی کئے۔ ان دنوں اسی بات کو نئے انداز سے سمجھنے کے لئے "خطبات خلافت" کے عنوان سے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں تین تین روزہ پروگرام رکھنے کا ارادہ پہلے کراچی اور اب راولپنڈی میں عمل کے پیکر میں ڈھلا ہے ۶' ۷ اور ۸ دسمبر کو یہ پروگرام سر سید پبلک سکول کے ہال میں منعقد ہوا۔ اس کی تشہیر پر خاص توجہ دی گئی۔ اجتماع کا مقام شہر سے کسی قدر ہٹ کر تھا لہٰذا مختلف مقامات سے اجتماع گاہ کے لئے بسوں کا انتظام کیا گیا۔

پہلے دن "امت مسلمہ کے موجودہ مایوس کن حالات میں عالمی نظام خلافت کے قیام کی خوشخبری اور خلافت کی حقیقت" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ صدارت تحریک خلافت کے ناظم اعلیٰ جنرل محمد حسین انصاری صاحب نے کی۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے قرآن مجید سے صغریٰ کبریٰ جوڑ کر' نبی آخر الزمانؐ کی بشارتوں کی بنیاد پر اور فلسفہ ارتقاء سے استشہاد کرتے ہوئے عقل و منطق کو بروئے کار لاکر ثابت کیا کہ قیامت سے قبل نظام خلافت ایک بار پھر لازماً قائم ہو کر رہے گا۔

۷ دسمبر کا موضوع گفتگو "عہد حاضر میں خلافت کا سیاسی و دستوری اور معاشی و معاشرتی ڈھانچہ" تھا۔ آپ نے فرمایا کہ انسانی اجتماعیت کا نظری اعتبار سے اہم ترین پہلو عائلی اور معاشرتی نظام ہے اور چونکہ عہد نبوت ہی میں انسان کا معاشرتی ڈھانچہ اپنی آخری صورت میں استوار ہوچکا تھا لہٰذا اس ضمن میں تفصیلی احکامات بذریعہ وحی دے دیئے گئے البتہ سیاسی نظام کے بارے میں جو عملی اعتبار سے اہم تر ہے صرف اصول دیئے گئے۔ چونکہ اس ضمن میں ابھی ارتقاء ہونا تھا لہٰذا تفصیلات کو اجتہاد کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ اب عہد حاضر کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے ان اصولوں کو پیش نظر رکھ کر قانون سازی کی جائے گی۔ معاشی نظام پر گفتگو کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جاگیرداری' سود اور سٹے کا مکمل استحصال کیا جائے گا اور "زکوٰۃ" کو پورے طور پر نافذ کرکے ایک مکمل فلاحی ریاست تشکیل دی جائے گی۔ عورت اور مرد اخلاقی اعتبار سے برابر ہونے کے باوجود معاشرتی سطح پر علیحدہ علیحدہ دائرہ کار رکھتے ہیں۔

آخری دن "نظام خلافت کے قیام کے طریق کار" پر گفتگو ہوئی۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سیرت النبیؐ سے ماخوذ مراحل انقلاب اجمالاً بیان کئے اور واضح کیا کہ صرف اسی راستے پر چل کر یہ نظام قائم کیا جاسکتا ہے۔ یہ نظام نہ آرزوؤں اور تمناؤں سے قائم ہوگا نہ دعاؤں اور التجاؤں سے نہ کثرت اور اکثریت کے حصول سے اور نہ ہی کسی متشددانہ کارروائی اور ہلے گلے کی سیاست سے اس کا قیام ممکن ہے۔ اس کے بعد سوال و جواب کی بھرپور نشست ہوئی۔ سامعین کی طرف سے اتنی بڑی تعداد میں سوالات کے گھنٹوں جواب دینے کے باوجود وقت کی تنگی کے باعث سارے سوالات کو نمٹانا ممکن نہ ہوسکا۔

تینوں دن سامعین کی بڑی تعداد شریک رہی گوشہ توجہ و انہماک سے محترم داعی تحریک کی باتوں کو سنا گیا۔ سوالات کی بھرمار اور ان کی نوعیت سے اندازہ ہوا کہ سامعین نے بات سمجھنے کی بھی کوشش کی ہے۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے فرمایا کہ اس فکر سے متاثر ہونے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے اور باقاعدہ بیعت کرکے عملی جدوجہد میں شریک ہونے کا عہد کرنے والے بھی ہزاروں میں ہیں لیکن اس عہد کا پاس کرنے والے اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنے والے "الا قلیلا منھم" کے مصداق بمشکل ایک ہزار کے قریب ہی ہیں۔ پیغام کو پہنچانے' بندگان خدا کو خدا سے جوڑنے اور نظام توحید کو رائج کرنے کی تڑپ کو محسوس کرکے راقم السطور کا ذہن اگر ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرنے والے حضرت نوحؑ کی طرف گیا تو دوسری طرف قوم موسیٰؑ بھی پردہ تصور پر ابھری جس نے مانا بار بار عہد کیا اور اتنی ہی بار عہد و پیمان کو پاش پاش بھی کیا۔ چنانچہ انکا ذکر "ثم تولیتم من بعد ذلک" کی تکرار کے بغیر نامکمل رہتا ہے۔

اس عہد شکنی ہی کی پاداش میں وہ ذلت و مسکنت سے ہمکنار ہوئے اور تاج فضیلت سے محروم ہوئے۔

سوچنے کا مقام ہے کہ کیا ہم مسلمان بھی اسی مرض میں مبتلا نہیں ہیں اور اس عہد شکنی کے باعث مستقبل قریب میں اگر ہم کسی "بلاء من ربکم عظیم" کی سی صورتحال سے دوچار ہوتے ہیں تو سب سے زیادہ وبال کس پر آئے گا! کیا دنیا کی زندگی اور خاص طور پر آخرت میں وہ لوگ بچ جائیں پائیں گے جو سب کچھ سمجھ کر بھی عملی جدوجہد میں شریک نہ ہوئے؟ اور بالخصوص غور کا مقام ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے غلبہ اسلام کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے، سننے اور اطاعت کرنے اور ہمیشہ حق بات کہتے رہنے کا عہد کیا ہو اور باقاعدہ بیعت بھی کی ہو لیکن پھر اسی دنیا کی گردش لیل و نہار میں کھو کر "اخسرین اعمالا" کا مصداق بن چکے ہوں!۔ کوئی تو غور کرے، باقی لوگوں کو بعد میں "سمجھالینا" پہلے اپنا جائزہ تو لے لیں کہ کیا ہم میں ایثار و قربانی کا اتنا مادہ پیدا ہوسکا ہے جو اس کام کے لئے ہونا چاہیئے؟۔ کیا اتنی بھاگ دوڑ ہے جو اس کام کا تقاضا ہے اور کیا واقعتاً تمام خواہشوں سے بالا تر خواہش غلبہ اسلام کی خواہش ہی ہے یا تمناؤں کے نخلستان میں یہ خواہش ابھی بس ایک نوخیز پودے کی مانند ہے۔ غور کیجئے کیونکہ ہماری دنیوی اور اخروی فلاح کا دارومدار اسی جائزے میں مضمر ہے۔OO

ناظم اعلیٰ نے ذاتی رابطے کی ملک گیر مہم جاری رکھی

دیر کا علاقہ نظام خلافت کا مضبوط قلعہ بنے گا

عبدالرزاق سیکرٹری تحریک خلافت

معاونین سے رابطے کی مہم کے سلسلے میں تحریک خلافت پاکستان کے ناظم اعلیٰ جنرل انصاری صاحب نے گذشتہ ہفتے کے دوران صوبہ سرحد کے دور افتادہ لیکن اہم علاقے دیر کا دورہ کیا۔ جنرل صاحب ۲ دسمبر کی صبح پشاور پہنچے۔ پشاور پہنچنے کے فوراً بعد جنرل صاحب ناظم تحریک حلقہ سرحد جناب وارث خان اور میجر فتح محمد صاحب کے ہمراہ دیر کے لئے روانہ ہوگئے۔ شام کو دیر پہنچنے پر مقامی ساتھیوں نے جنرل صاحب کا استقبال کیا۔ اگلے روز صبح ۹ بجے تا ۱۲ بجے جنرل صاحب نے معاونین تحریک خلافت سے خصوصی ملاقاتیں کیں اور نماز جمعہ سے قبل جامع مسجد بابا صاحب میں خطاب فرمایا۔ شام کو کمبٹ میں جنرل صاحب کو وہاں کی اہم شخصیات سے ملوایا گیا۔

اگلے روز صبح معاونین تحریک سے جنرل صاحب نے فرداً فرداً ملاقات اور تبادلہ خیال کیا اور بعد دوپہر پشاور کے لئے روانگی ہوئی۔ ۵ دسمبر کی صبح پشاور میں جنرل صاحب نے سینئر ریٹائرڈ فوجی و سول افسران سے ملاقاتیں کیں جن میں جناب ارباب مختار احمد ممبر پبلک سروس کمیشن، بریگیڈیر محمد حیات، میجر جنرل شیر دل خان نیازی، کرنل عبدالقیوم اور میجر محمد یونس شامل ہیں۔ ان ملاقاتوں میں جنرل صاحب نے ان سے تحریک خلافت کا تعارف کروایا اور ۱۳ تا ۱۵ دسمبر کو پشاور میں ہونے والے خطبات خلافت کے پروگرام میں شرکت کی دعوت دی۔ شام کو یہاں بھی معاونین تحریک سے جنرل صاحب کی ملاقات کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جنرل صاحب نے معاونین سے تحریک خلافت کی سرگرمیوں کے حوالے سے تبادلہ خیال کیا۔ ۶ دسمبر کی صبح خلافت کمیٹی حلقہ سرحد کے اراکین سے ملاقات اور خطاب کیا اور صوبہ سرحد میں تحریک کی سرگرمیوں کو منظم اور تیز تر کرنے کے لئے مشورے دیئے۔ پھر بعد دوپہر وہ راولپنڈی کے لئے روانہ ہوگئے جہاں ۶، ۷، ۸ دسمبر کو ہونے والے خطبات خلافت کے پروگرام میں داعی تحریک محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نظام خلافت کے مختلف پہلوؤں پر خطاب کرنے والے تھے۔ جنرل صاحب نے ان پروگراموں کی صدارت فرمائی۔

جنرل صاحب نے اپنے دورہ کے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دیر کے عوام میں ماہ جولائی کے داعی تحریک محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دورہ کے اثرات بہت نمایاں تھے۔ لوگوں نے تحریک خلافت کے پیغام میں گہری دلچسپی لی ہے اور بڑی تعداد میں شمولیت اختیار کرکے تحریک کے مشن کو آگے بڑھانے کا عزم رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دیر اس لحاظ سے ملک کا سب سے زرخیز علاقہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نظام خلافت کے لئے لوگوں میں بڑی پیاس موجود ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ نظام خلافت کے قیام کے لئے تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ جنرل صاحب نے اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مردان کوہستانی شہروں کے مقابلے میں فطرت کے زیادہ قریب ہیں اور ان میں انفرادی دین داری بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ حالیہ انتخابات کے نتائج نے ملک کے دیگر حصوں کے عوام کی طرح دیر کے لوگوں کو بھی سخت مایوس کیا ہے اور وہ اب نظام خلافت کے قیام کے لئے انقلابی طریقہ کار کو اختیار کرنے میں خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ جنرل صاحب نے فرمایا کہ دیر کے لوگوں کا نظام خلافت کے قیام کے لئے جوش و خروش دیکھتے ہوئے یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اس علاقے کے لوگ نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے اور اس علاقے کو نظام خلافت کا مضبوط قلعہ بننے کی سعادت حاصل ہوگی۔OO

نبی اکرمؐ کی اصل جلالت قدر اور عظمت شان تو کوئی نہیں جان سکتا۔ مختصراً یہی کہا جاسکتا ہے کہ

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

ہمارے لیے اصل قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ:

کیا ہم آپؐ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں؟

اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دارومدار ہے

اس اہم موضوع پر

ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

ہمارے تعلق کی بنیادیں

خود بھی مطالعہ کیجئے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجئے

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کاش میرے سامنے جماعت کا یہ حشر نہ ہوتا!

تازہ انتخابی حکمت عملی نے پردہ اٹھادیا

الیکشن سے پہلے اور الیکشن کے بعد لکھے گئے دو

چشم کشا خطوط

موقر معاصر ہفت روزہ "تکبیر" کراچی میں جماعت اسلامی کی حالیہ انتخابی مہم پر تبصروں اور تجزیوں کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری ہے اور "تبادلہ خیال" کے عنوان کے تحت متعدد خطوط بھی شائع کئے گئے ہیں جن میں سے بعض جماعت کے ناقدین کی طرف سے تھے تو بعض پرجوش حامیوں کی جانب سے بھی۔ شمارہ نمبر ۴۷ (۲۵ نومبر ۹۳ء) میں جماعت کی نئی انتخابی پالیسی کے معمار اول جناب خرم مراد' نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان کے نام ان کے ایک دیرینہ رفیق کار اور بے تکلف دوست محترم خواجہ محبوب الٰہی کے دو خطوط پڑھنے کو ملے جن میں سے ایک پولنگ سے پہلے لکھا گیا اور ایک اس وقت ضبط تحریر میں آیا جب وہ انجام سامنے آچکا تھا جس کی خبر پہلے خط کے آخر میں تھی۔ ان خطوط کو "ندائے خلافت" میں نقل کرنے سے ہماری جس خصوصی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے اس کے کئی اسباب ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ ہم خواجہ محبوب الٰہی صاحب کے انفرادی پس منظر سے ذاتی واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ جماعت کے رکن تو نہیں کیونکہ بطور ایک صنعتکار وہ غالباً رکنیت کی ایک آدھ شرط پر پورا اترنے سے قاصر ہیں تاہم ان کی حیثیت ایک رکن سے کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ عملاً وہ جماعت کے "سرپرستوں" میں شامل ہو چکے تھے۔ انہوں نے شعور کی آنکھ جماعت کی گود میں کھولی جس سے فکری اور عملی وابستگی پر چالیس برس کا طویل زمانہ گزر چکا ہے۔ ۱۹۵۳ء میں جب وہ اسی شہر لاہور میں زیر تعلیم تھے تو امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے قریبی ساتھیوں میں شامل رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ان دنوں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے ایک طالب علم کی حیثیت میں اسلامی جمعیت طلبہ کے بیک وقت صوبہ پنجاب اور شہر لاہور کے ناظم تھے اور خواجہ صاحب کالجوں کے شہر لاہور کی نظامت میں بطور نائب ان کے دست راست تھے۔ البتہ زمانہ طالب علمی کے بعد ان دونوں میں کوئی رابطہ نہیں رہا اور خاص طور پر ۱۹۵۷ء میں سانحہ ماچھی گوٹھ کے بعد ڈاکٹر صاحب کے جماعت کو چھوڑ دینے پر تو اس کا کوئی امکان بھی کبھی پیدا نہیں ہو سکا۔ اس کے برعکس خرم مراد صاحب (جو اس وقت خرم جاہ مراد تھے) اور جماعت کی موجودہ نظریاتی قیادت کے ساتھ ان کے مراسم جن کا آغاز طالب علمی کے اسی دور میں ہوا تھا' مسلسل بڑھتے چلے گئے اور زیر نظر خطوط میں ان کی نوعیت صاف نظر بھی آتی ہے۔

کاروباری گھرانوں کے عام چلن کے خلاف انہوں نے شادی بھی اپنی نئی نظریاتی برادری میں کی چنانچہ ان کی خوش دامن محترمہ نیر بانو دور پار کی بھی رشتہ دار تو نہ تھیں لیکن جماعت میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ وہ جماعت اسلامی کی اولین خاتون رکن ہیں اور حلقہ خواتین کی قیمہ کے منصب پر فائز رہی ہیں۔ جماعت کے اہل قلم میں بھی ان کی حیثیت مسلمہ ہے اور ان کے سبق آموز افسانوں نے خواتین میں دینی مزاج کو راسخ کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی صاحبزادی اور خواجہ صاحب کی اہلیہ محترمہ نے بھی نظم و نثر میں یکساں بے ساختگی سے ادب اسلامی کی خدمت سرانجام دی اور طویل عرصے سے خواتین کے لئے جماعتی جریدے ماہنامہ "بتول" کی ادارت کی ذمہ داری نبھا رہی ہیں۔ کسی نہ کسی حوالے سے جماعت اسلامی کی تازہ حکمت عملی پر ان دونوں محترم خواتین کا ناموافق ردعمل بھی "تکبیر" ہی کے ذریعے منظر عام پر آچکا ہے۔

دوسرا ہماری دلچسپی کا سبب یہ ہے کہ ان کے خطوط کے بین السطور جو درد جھلکتا ہے ہم بھی اسی ناوک کے صید ہیں اور اسے محسوس کرکے ہمارے قارئین یہ اندازہ کر سکیں گے کہ جماعت اسلامی سے علیحدگی پر طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ہم مڑ مڑ کر اس کی طرف کیوں دیکھتے ہیں اور اپنے بہی خواہوں کی اس نصیحت پر کان کیوں نہیں دھرتے کہ جماعت کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جانا چاہئے۔

تیسرا سبب یہ کہ جماعت اسلامی کی داخلی صورت حال کا ایک سرسری سا اندازہ رکھنے کے باوجود وہ کیفیت ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی جو جماعت میں اب بالفعل پائی جاتی ہے اور ان خطوط کے ذریعے طشت ازبام ہوئی۔ یہ اصول اگرچہ معلوم ہے کہ تنزل کی ڈھلوان پر فکر و عمل کے انحطاط کی رفتار میں تیزی بڑھتی چلی جاتی ہے' پھر بھی ہم اپنے

اس حسن ظن کو سنبھال سنبھال کر رکھتے رہے کہ وہ کھنڈر تو ابھی محفوظ ہوں گے جو گواہ ہو سکتے ہیں کہ عمارت عظیم تھی۔ ان دنوں میاں طفیل محمد اور نعیم صدیقی صاحبان نے اپنے تئیں بہت سے راز کھولے ہیں لیکن ان کی باتیں گول مول سی یعنی ایک حد تک ملفوف تھیں۔ اب تفصیلات غیر مبہم انداز میں سامنے آئی ہیں تو واقعہ یہ ہے کہ ہم پر بھی ایک صدمے کی سی کیفیت طاری ہے۔ بایں ہمہ خواجہ محبوب الٰہی سے یہ پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ ان کے صبر کا پیمانہ نواز شریف صاحب کی ناکامی اور پیپلز پارٹی کی کامرانی پر ہی کیوں چھلکا ہے' یہ حادثہ ذرا پہلے تک کیوں نہیں گزرا؟۔ ان تبدیلیوں کے آثار کیا اتنے ہی غیر محسوس تھے جن کے نتائج نے ان کا صبر و سکون اب چھینا ہے؟۔۔۔

ضمناً یہ بات بھی قابل غور ہے کہ انقلابی تحریکوں میں بھی دستوری اور جمہوری مزاج کو رائج دیکھنے کے آرزو مند اور اجتماعت کے جدید اصولوں کے شناسا خواجہ محبوب الٰہی کو بھی جماعت کے بانی اور اولین داعی میں اقتدار کا "اس قدر" ارتکاز گوارا تھا جو بعد کے امراء کے لئے "کسی طرح" درست نہیں تو تنظیم اسلامی میں اس کے بانی امیر اور تحریک خلافت پاکستان میں اس کے داعی کی حیثیت پر جماعتی حلقوں کی طرف سے طنز و استہزاء کے تیر کیوں برسائے جاتے رہے ہیں۔ (مدیر)

خرم بھائی!

السلام علیکم۔ منسلکہ خط الیکشن کے دوران لکھ کر لاہور لے گیا تھا' لیکن گھر سے پتہ چلا کہ آپ لوگ باہر چلے گئے ہیں۔ اخبار میں پڑھا کہ آپ واپس آگئے ہیں' اس لئے خط بھیج رہا ہوں۔

الیکشن میں فرنٹ کے جس حشر کی پیش گوئی کی جا رہی تھی وہی ہوا۔ ہم ۷۰ء سے بھی پیچھے چلے گئے' نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ فی الحال ہماری اہمیت صرف اتنی ہے کہ ہم دوسروں کو جیتنے سے روک سکتے ہیں' خود جیتنے کے قابل نہیں۔

ہر جمہوری ملک میں یہ ہوتا ہے کہ پارٹی کی شکست کے بعد لیڈر مستعفی ہو جاتا ہے اور نئی قیادت آکر نئی پالیسیاں بناتی ہے لیکن کہا جا رہا ہے کہ قاضی صاحب کو استعفیٰ دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ

۲۰/۲۵ سیٹیں فرنٹ کو ملیں گی' باقی تقریباً نصف نصف نواز اور بی بی کو ملیں گی۔ اقتدار کی جنگ میں فرنٹ کسی کا ساتھ نہیں دے گا۔ وزارت عظمیٰ کے لئے دونوں سانڈ لڑ لڑ کر ادھ موئے ہو جائیں گے' تب تازہ دم قاضی صاحب آگے بڑھ کر عنان حکومت سنبھال لیں گے۔

مرکزی شوریٰ نے یہ پالیسیاں پاس کی تھیں' اس طرح یہ پالیسیاں پوری جماعت کی پالیسیاں تھیں' صرف قاضی صاحب کی نہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ امریکہ اور انگلستان میں جماعتی پالیسیاں صرف مرکزی پالیسی ساز ادارے ہی پاس نہیں کرتے بلکہ انہیں پارٹی کنونشن سے بھی پاس کرایا جاتا ہے۔ اس طرح صحیح معنوں میں یہ جماعت کی پالیسی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ناکامی کی صورت میں لیڈر اور اس کے قریبی ساتھی مستعفی ہو جاتے ہیں کیونکہ ووٹر جن پالیسیوں کو رد کردیں' ان پر اصرار پارٹی کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔

یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اگر فرنٹ اور پاسبان توڑ دیئے جائیں تو بھلے قاضی صاحب کو امیر رہنے دیا جائے۔ ایک امیر جو صدام کی حمایت کی وجہ سے ہمارے بیشتر بیرون ملک دوستوں اور اپنے متفقین اور متاثرین کے حلقے میں پہلے ہی غیر مقبول ہو چکا ہو اور اب فرنٹ' پاسبان اور الیکشنی مہم جوئی کے ذریعہ بالکل ناپسندیدہ شخصیت بن چکا ہو' اس کی امارت بحال رکھنا خود اس کے لئے اور جماعت کے لئے نامناسب ہوگا۔ مجھ جیسے لوگ قاضی کی وجہ سے واپس جماعت میں نہیں آئیں گے (مومن ایک سوراخ سے بار بار نہیں ڈسا جاتا) اور جماعت کے اندر بھی قاضی صاحب کو سابقہ عزت اور احترام نہیں مل سکتے۔ خود قاضی صاحب کی خود اعتمادی بحال نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ہر لحاظ سے بہتر یہی ہے کہ اب قاضی صاحب رخصت ہوں اور نیا امیر منتخب ہو۔

والسلام' محبوب الٰہی

اب وہ خط ملاحظہ فرمایئے جو انتخابی مہم کے دوران ۱۶ ستمبر کو لکھا گیا تھا:

خرم بھائی!

السلام علیکم' مزاج شریف' جون میں ہم لوگ محمود کے بیٹے کی شادی میں شرکت کے لئے نیویارک چلے گئے تھے۔ واپسی میں لندن رک گئے' اگست میں واپس پاکستان آئے تو دنیا ہی بدل چکی تھی۔ صدر اور وزیر اعظم رخصت ہو چکے تھے اور نئے انتخابات کے انتظامات شروع ہو چکے تھے۔

ہماری روانگی سے قبل مرکزی اسمبلی میں نواز شریف پر تحریک اعتماد میں جماعت اسلامی کے ممبران کی عدم شرکت کی بناء پر آپ' میرے اور سلمیٰ کے درمیان تلخی ہوئی تھی اور میں نے آپ سے فون پر یہ کہہ کر بات نہیں کی تھی کہ "میں اس خرم کو نہیں جانتا"۔

ہم لوگ سخت پریشان تھے' ہم حیران تھے کہ جماعت کی قیادت اسمبلی کی بساط لپیٹنے میں غلام اسحاق کی مدد کیوں کر رہی ہے خصوصاً جبکہ جماعت کی اکثریت قائدین کی اس پالیسی کے خلاف تھی۔ علاوہ ازیں ہم لوگ یہ محسوس کر رہے تھے کہ مرکزی قیادت مولانا مودودیؒ کی جماعت ختم کرنے اور اپنی من پسند ایک نئی جماعت بنانے میں لگی ہوئی ہے۔ ۴۲ سال مولانا مودودیؒ والی جماعت اسلامی کے ساتھ منسلک رہنے کے بعد ہمارے لئے جماعت اسلامی کا خاتمہ اپنے کسی قریب ترین عزیز کی رحلت سے بھی زیادہ اندوھناک ہے' اس لئے ہم بھی خاصے تلخ ہو رہے تھے۔

ظاہر ہے کہ آپ ہمارے اندیشوں اور ہمارے تجزیئے سے متفق نہیں ہیں۔ چونکہ آپ خود جماعت کی موجودہ قیادت کے ایک اہم رکن بلکہ چیف تھیوریشین ہیں لیکن جس طرح آپ کو اپنی رائے کا حق ہے اسی طرح ہمیں آپ سے اختلاف کا حق ہے۔ مگر اختلافات کے باوجود آپ کے خلوص پر ہمیں کوئی شبہ نہیں ہے' بلکہ ہم دونوں میاں بیوی اپنی محفلوں میں آپ کے اخلاص کا دفاع کرتے ہیں۔ یہ روز ہی ہوتا ہے کیونکہ ارکان سے لے کر متاثرین تک' سب آج کل آپ کو اور قاضی صاحب کو ایک ہی بریکٹ میں رکھتے ہیں' بلکہ قاضی صاحب خود اپنے ناقدین سے کہہ رہے ہیں کہ یہ پالیسیاں میری نہیں' خرم اور خورشید کی ہیں' میں صرف ان کو عملی جامہ پہنا رہا

ہوں۔ البتہ اس کا مجھے اعتراف ہے کہ میں نئے خرم کو نہیں جانتا' میں اس خرم کو جانتا ہوں' جو سادہ طبیعت کا مالک اور منکسر المزاج ہے' اور نرم خو ہے' بات سنتا اور دلیل سے سمجھتا ہے' دلسوزی سے تزکیہ نفس کی دعوت دیتا ہے اور فکری محاذ پر دعوت دین کا کام کر رہا ہے۔ اب جو خرم سامنے آرہا ہے وہ اختلاف رائے اور تنقید برداشت نہیں کرتا' جو ساری زندگیاں تحریک میں کھپا دینے والوں پر ان کے بڑھاپے میں تنقید کا جواب دلائل سے دینے کے بجائے ناقدین پر نجوئی کا الزام لگا کر انہیں خاموش کراتا ہے' حقائق اس کی مرضی کے خلاف ہوں تو حقائق کی صحت سے انکار کر دیتا ہے' غرض کہ شورش کاشمیری' حمید نظامی وغیرہ جماعت والوں کی جو خصوصیات بیان کرتے تھے' سخت گیر' سخت جو' تنگ دل' تنگ نظر اور اپنی صالحیت کے پندار میں گم' ان خصوصیات کا حامل شخص میرا چالیس سالہ رفیق ہرگز نہیں ہو سکتا۔

جماعت کی موجودہ پالیسیوں کے بارے میں آپ نے بہت کچھ لکھا ہے' جماعتی اور غیر جماعتی پرچوں میں بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ان مباحث اور ان دلائل کا تجزیہ کرنا لا حاصل ہے البتہ اپنا فرض خیر خواہی ادا کرنے کے لئے چند ایسے امور پر گفتگو کروں گا جن پر اب تک سیر حاصل گفتگو نہیں ہوئی۔

- ○۔ جماعت کی موجودہ پالیسیاں کیا ہیں؟
- ○۔ وہ کس حد تک فکری طور پر درست ہیں؟
- ○۔ جماعت اور اس کے حلقہ اثر میں ان کی کہاں تک پذیرائی ہوئی ہے؟

ا۔۔ پالیسیاں:۔

(ا) سولو فلائٹ

آپ بار بار لکھ رہے ہیں کہ ۷۰ء کے بعد سے اب تک ہم نے تنہا الیکشن نہیں لڑا' اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہوں۔ دو سوال ابھرتے ہیں ذہن میں:

(الف) کیا آپ نے تنہا جنگ کے لئے تیاری کر لی ہے؟

(ب) کیا سولو فلائٹ کے لئے یہ وقت مناسب ہے؟

(الف) تیاری:۔ پچھلے دنوں پروفیسر غفور صاحب پنڈی آئے ہوئے تھے۔ مقامی امیر جماعت انہیں میرے گھر لے آئے' کوئی دو گھنٹے گفتگو رہی۔ میرا بنیادی سوال یہ تھا کہ پاکستان کی ۷۰ فیصد آبادی دیہی ہے' جو شہری حلقے ہیں ان میں بھی قومی اسمبلی کی نشستوں کی حلقہ بندی کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ ماسوا کراچی کے ہر شہری حلقہ میں تقریباً نصف ووٹر دیہی ہیں لہٰذا جماعت یا فرنٹ ایسی صورت میں نشستیں جیت سکتے ہیں کہ دیہی علاقوں میں ہمارا کام ہو۔ کیا دیہات میں کام کیا گیا ہے؟ غفور صاحب نے اعتراف کیا کہ دیہاتوں میں جماعت کا کام صفر ہے لیکن فرمایا کہ جس طرح ۷۰ء میں بھٹو نے پبلسٹی بلٹز کی مدد سے اپنے حق میں ایک عوامی لہر پیدا کر لی تھی اور ایک مختصر مہم کے بعد الیکشن جیت لئے تھے اسی طرح ہم بھی دیہات میں کام نہ ہونے کے باوجود پبلسٹی کے ذریعہ اپنے حق میں ایک عوامی لہر پیدا کر لیں گے اور اس کے بل پر انتخابات جیت لیں گے۔ یہ بات میرے لئے نئی نہیں تھی' اخبار اور جماعتی رسائل میں یہ استدلال کئی رنگوں میں چھپ چکا تھا' گویا یہ جماعت کی قیادت کی سرکاری فکر تھی۔ افسوس منصورہ کے مکینوں نے اس سلسلہ میں چند حقائق کو نظر انداز کر دیا۔

☆۔۔۔ پروپیگنڈا رائی کو پہاڑ بنا سکتا ہے' لیکن رائی نہ ہو تو پہاڑ نہیں بنتا۔

☆۔۔۔ بھٹو پاکستان کے عوام کے لئے کوئی نیا آدمی نہیں تھا۔ وہ طویل عرصہ تک ایوب خان کا وزیر رہا' پہلے صنعت کار پھر خارجہ کار۔ ان حیثیتوں سے اس کی شخصیت کی پروجیکشن سرکاری میڈیا سالوں کرتا رہا۔

☆۔۔۔ بھٹو کو سب سے زیادہ سیاسی فائدہ تاشقند معاہدہ کی مخالفت اور ۷۰ء میں جنرل اسمبلی میں "ہزاروں سال لڑیں گے" والی تقریر سے ہوا۔ ان دونوں معاملات میں اس نے عوام کے دل کی دھڑکنوں کی ترجمانی کی' اس لئے جب ان کو موضوع بنا کر انتخابی مہم کی لہر سارے مخالفوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئی۔ لیکن بھٹو نے صرف اسی پروپیگنڈے پر اکتفا نہ کیا' اسے علم تھا کہ یہ موضوعات صرف پنجاب اور سرحد میں فیصلہ کن اثر رکھتے ہیں لہٰذا سندھ میں اس نے سندھی نیشنلزم کا سہارا لیا' تب جا کر اسے فتح نصیب ہوئی۔

اب تک فرنٹ کی طرف سے جو پبلسٹی کمپین چلائی گئی ہے' اس کو کوئی خاص پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔ نواز شریف کو الیکشن میں "اسلام کوئی ایشو نہیں ہے" کہنے پر برا بھلا کہنے والے خود اپنے اشتہارات میں اسلام کا کہیں بھی نام نہیں لیتے۔ صرف عوامی راج' قاضی آرہا ہے' قاضی آئے گا تو یہ کرے گا اور وہ کرے گا' ان باتوں سے عوامی لہر پیدا ہونے سے رہی۔ اپنے اسٹائل کی وجہ سے بہت سارے لوگ قاضی صاحب کو بھٹو سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن اصلی بھٹو کے وارثین کی موجودگی میں نقلی بھٹو کی دال گلنے سے رہی۔ اگر دیہی ووٹ بغیر عوامی لہر کے نہیں مل سکتے اور عوامی لہر پیدا نہیں ہو رہی تو فرنٹ کیسے جیتے گا؟ اور قاضی صاحب کی وزیر اعظم بننے کی خواہش کیسے پوری ہوگی؟

اس کا جواب خود قاضی صاحب نے پنڈی میں ملاقات کے لئے آنے والے ایک وفد کے اراکین کو دیا' بعد ازاں اکرم رانجھا اور دوسرے لوگوں کے قلم سے چھپا۔ پلان یہ تھا کہ دائیں بازو کا ووٹ تقسیم کر کے نواز شریف کو اکثریت حاصل کرنے سے روک دیا جائے' ۲۰/۲۵ سیٹیں فرنٹ کو ملیں گی' باقی تقریباً نصف نصف نواز اور بی بی کو ملیں گی۔ اقتدار کی جنگ میں فرنٹ کسی کا ساتھ نہیں دے گا۔ وزارت عظمیٰ کے لئے دونوں سانڈ لڑ لڑ کر ادھ موئے ہو جائیں گے' تب تازہ دم قاضی صاحب آگے بڑھ کر عنان حکومت سنبھال لیں گے۔

افسوس کہ عملی دنیا میں اس طرح نہیں ہوتا۔ فرنٹ کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں' ان کے بھی نمائندے آئیں گے' چند آزاد بھی چنے جائیں گے۔ خود فرنٹ کے ارکان میں غیر جماعتی افراد کی اکثریت ہوگی' ان سے نظم کی پابندی کی توقع رکھنا عبث ہے' خصوصاً جب کروڑوں روپے مل رہے ہیں لہٰذا دونوں بڑی پارٹیوں کو حکومت بنانے میں کوئی خاص دقت نہیں ہوگی۔

قصہ مختصر یہ کہ ہم ابھی سولو فلائٹ کے لئے تیار نہیں ہیں اور اگر اپنا اصلی بنیادی کام ۔۔۔ توسیع دعوت ۔۔۔ نہ کیا تو آئندہ پچاس سال میں بھی سولو فلائٹ نہ کر سکیں گے۔

(ب) کیا سولو فلائٹ کے لئے یہ وقت مناسب ہے:۔

جماعت کے ارکان' متفقین اور متاثرین کا خیال ہے کہ فرنٹ بوجہ جیتنے کی پوزیشن میں نہیں ہے' صرف ووٹ بانٹے گا۔ خود پی پی پی کا بھی یہی خیال ہے اسی لئے بی بی نے پارٹی ورکروں کو ذاتی ہدایات دی ہیں کہ فرنٹ کے جلسے جلوسوں کو کامیاب بنایا جائے۔ یہ سنی سنائی بات نہیں ہے بلکہ اخبارات میں چھپ چکی ہے اور مجھ سے خود پی پی پی کے ایک امیدوار اسمبلی نے اس کی تصدیق کی۔ انہوں نے خود اپنے حلقہ میں فرنٹ کے امیدار کو کارکن فراہم کئے ۔۔۔ پی پی پی کے اخبار اور صحافی قاضی صاحب کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں۔ ارشاد احمد حقانی نے تو جوش میں آکر آپ اور جماعت کے دیگر سرکاری ترجمانوں کی نفی کر دی

اور ہم ناقدروں کے الزامات کی تصدیق کردی۔ ایک طویل مضمون میں انہوں نے ثابت کیا کہ قاضی حقیقی اسلام کے داعی ہیں اور مولانا مودودی مرحوم کی پالیسیوں کو انہوں نے بالکل بدل دیا ہے لہٰذا قاضی صاحب تمام ترحق پسندوں کی امامت کے مستحق ہیں لیکن جماعت کی اکثریت نہ نواز شریف کو ہرانا چاہتی ہے اور نہ مولانا کی پالیسیوں کو بدلنا چاہتی ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ ووٹ تقسیم ہونے سے افراد کو تو فرق پڑسکتا ہے' لیکن نظریاتی طور پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ روسی کمیونزم کے خاتمہ کے بعد سیاست میں دائیں اور بائیں کی تفریق ختم ہوگئی ہے۔ حد ہوئی' آپ جیسا پڑھا لکھا آدمی ایسی بچگانہ بات لکھ رہا ہے!! جب تک دنیا میں مراعات یافتہ اور محروم طبقات ہیں تب تک فکری محاذ پر بھی دائیں اور بائیں کی تقسیم ہے۔ اس جھگڑے کی ابتداء ہابیل اور قابیل سے ہوئی ہے اور تاقیامت رہے گی۔ اس موضوع پر غالباً سب سے پہلی اور مدلل بحث افلاطون کی کتاب ری پبلک میں اور غالباً پہلی کیمونسٹ ریاست یونان کی اسپارٹا تھی--- روس ضرور بکھر گیا ہے لیکن نظریہ ختم نہیں ہوا اور نئے صنعتی انقلاب کی وجہ سے مغربی ممالک میں مستقل اونچی شرح بے روزگاری کے پیش نظر یہ پیش گوئی کرنا کوئی مشکل کام نہیں کہ بائیں بازو کی طرف سے نئے نظریات' نئی جماعتوں کی شکل میں اکیسویں صدی کے شروع میں زور پکڑنے لگیں گے۔

آپ لوگ جو مرضی کہتے اور لکھتے رہیں' جماعت کے ووٹ بینک کی غالب اکثریت یہ بھولنے کو تیار نہیں کہ پی پی میں آج بھی وہ لوگ لیڈر ہیں جو ہندوستانی ٹینکوں پر بیٹھ کر آنے کی باتیں کرتے تھے' جنہوں نے پرہجوم جگہوں پر بم پھینکے' ٹرینوں کی پٹڑیاں اکھاڑ کر حادثات کرائے' سکھوں کی تحریک کو کچلنے میں بھارت کی مدد کی اور راجیو گاندھی سے اسلام آباد میں بیٹھ کر پاکستان ٹیلی ویژن پر کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ کہلوایا اور چوں بھی نہ کی اور جن کا اصل لیڈر آج بھی دھمکی دے رہا کہ اگر اسے معاف نہ کیا گیا تو یہ پاکستان کے حق میں اچھا نہ ہوگا--- قاضی صاحب نے مرتضیٰ کے جرائم کی پردہ پوشی کرکے ہمارے دلوں میں اپنے احترام کو اور بھی کم کردیا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ میری دانست میں ابھی سولو فلائٹ کا وقت نہیں آیا۔ جماعت کو چاہئے کہ پورے پاکستان میں سے وہ حلقے منتخب کرلے جہاں اس کے پاس مناسب افرادی قوت اور معاشی وسائل ہوں' پھر ان حلقوں میں مسلسل سال بعد سال کام کیا جائے وہاں سے بلدیاتی اور ان میں کامیاب ہونے کے بعد صوبائی اور قومی الیکشنوں میں حصہ لیا جائے۔ کسی مغربی ملک میں کوئی بھی شخص مقامی سیاست میں حصہ لئے بغیر ملکی سیاست میں حصہ لینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ ہوائی قلعے بنانے چھوڑ دیجئے اگر آپ کھیت میں ہل نہیں چلائیں گے' بیج نہیں ڈالیں گے' پانی نہیں لگائیں گے تو فصل کہاں سے آئے گی؟

(۲) پاسبان:۔

اس موضوع پر جب آپ سے بات ہوئی تھی تو آپ نے کوئی جواز پیش نہیں کیا تھا' صرف یہ کہا تھا کہ پاسبان کے قیام کی منظوری شوریٰ نے دی ہے۔ اس معاملہ میں صرف قاضی صاحب پر تنقید کرنا غلط ہے۔

آئین اور دوسرے رسائل میں اس کا جو جواز پیش کیا گیا مختصراً وہ یہ ہے کہ جو نوجوان جمعیت اور جماعت میں شامل نہیں ہوسکتے' لیکن جذباتی طور پر اسلام پسند ہیں انہیں ایک نظم میں منسلک کیا جائے اور ان کی قوتوں کو احیائے اسلام کے لئے استعمال کیا جائے یہ مقصد اتنا نیک ہے کہ اس سے اختلاف ممکن نہیں لیکن اس خیال کو جس طریقہ سے عملی جامہ پہنایا گیا ہے اس کی وجہ سے نتائج بالکل الٹ نکل رہے ہیں۔

(الف) ان لڑکوں کی دینی تربیت کا کوئی بندوبست نہیں کیا گیا اس لئے بجائے اس کے کہ یہ نوجوان دینی رنگ میں رنگ جاتے' انہوں نے پاسبان کا مزاج پی پی کے جیالوں جیسا بنادیا ہے اور جمعیت کے وہ لڑکے جو جلسے جلوسوں میں ان کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں وہ بھی ان کے رنگ میں رنگ گئے ہیں۔

(ب) جب سے پاسبان بنا ہے اور جلسے جلوسوں کا بندوبست ان کے حوالہ ہوا ہے' تب سے اخبارات میں ایک نئی اصطلاح چھپنے لگی ہے "جماعت اسلامی کا روایتی ناچ"۔ اگر ترکی کے رقص کرنے والے درویشوں کی طرح یہ بھی کوئی صوفیانہ رقص ہوتا تو کوئی بات بھی تھی لیکن جماعت کا روایتی رقص تو قمیض اتار کر بھنگڑا ڈالنا ہے۔ حد ہوگئی' میرے ساتھ چالیس سالہ تعلق میں کبھی آپ نے مجھے روایتی ناچ نہ دکھایا۔ غالباً یہ صرف ارکان تک محدود ہوگا۔

(ج) پاسبان نے اور بھی بہت کچھ جماعت کو دیا ہے' مثلاً قاضی کے جیالے' قاضی کے بیٹے' قاضی کے سپاہی وغیرہ۔ اللہ اکبر کے بیج کی جگہ قاضی صاحب کی تصویر اور میرا قاضی والا بیج۔ اللہ کے سپاہی کے اسٹیکر کی جگہ قاضی کے سپاہی کا اسٹیکر اور سب سے قیمتی اضافہ ہے' قاضی صاحب کی موجودگی میں نواز شریف پر ماں بہن کی گالیوں کی بارش۔

(د) جماعت اپنی امانت اور دیانت کے لئے مشہور تھی۔ جب لوگوں نے دیکھا وہ پاسبان جنہیں سائیکل بھی میسر نہ تھی وہ نئی پجیرو پر دو دو موبائیل فون لئے پھر رہے ہیں تو پبلک اور اخبارات سوال کرنے لگے کہ پاسبان کے پاس اتنے وافر پیسے کہاں سے آرہے ہیں؟ آپ نے مجھے بتایا تھا کہ پاسبان غیر جماعتی لوگوں سے چندہ کررہی ہے۔ میں نے کئی شہروں میں تحقیق کی اور پتہ چلا کہ پاسبان کو وہ لوگ پیسے دے رہے ہیں جو پہلے جماعت کو دیتے تھے لیکن پھر بھی اتنے پیسے نہیں ملتے لہٰذا پاسبان کی شاہ خرچیوں کا منبع کہاں ہے؟

الزام لگ رہا ہے کہ پاسبان کے اوپر کے لوگ منشیات کے کاروبار میں ملوث ہیں اور کارکن مارکیٹوں سے جگا ٹیکس وصول کرتے ہیں۔ اور یہ تو مستند بات ہے کہ پاسبان کے وہ کارکن جن سے کام لیا جاتا ہے انہیں دہاڑی ملتی ہے۔ مثلاً انتخابی مہم جب قاضی صاحب نے شروع کی تھی تو پاسبان کے ۵۰۰ لڑکے ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں بھر کر لاہور سے پشاور تک لائے گئے تھے۔ تقریباً دو ہفتے لگے تھے اس مہم میں۔ خود ان لڑکوں کی زبانی سنا کہ ۱۰۰ روپے کھانا اور رہائش انہیں مل رہی ہے۔ نتیجتاً اب لوگ جماعت کی امانت اور دیانت پر اعتماد نہیں کررہے' اعانتوں کے سوتے سوکھ گئے ہیں۔ مقامی جماعتوں کو روز مرہ کے اخراجات کے لئے بھی قرض لینا پڑ رہا ہے۔

(۳) اسلامک فرنٹ:۔

جس طرح یہ قائم ہوا اور جو کچھ شوراؤں میں کیا گیا وہ پہلے بذریعہ سینہ گزٹ اور اب بذریعہ اخبارات عوام تک پہنچ چکا ہے' لیکن تھوڑی دیر کے لئے ہم مان لیتے ہیں کہ فرنٹ کی منظوری لینے میں قاضی صاحب نے کوئی غلط کام نہیں کئے اور شوریٰ نے اتفاق رائے سے اس کی منظوری دی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کے کیا مقاصد تھے اور کہاں تک پورے ہوئے۔

فرنٹ کے قیام کی ضرورت یہ بتائی گئی کہ جماعت اسلامی Elitist جماعت ہے۔ یہ کبھی عوامی مقبولیت حاصل کرکے حکومت سازی نہیں کرسکتی۔ جماعت کو ایک عوامی تنظیم بنانے میں ارکان جماعت مانع ہیں۔ وہ جماعت کی ہیئت کو تبدیل کرنے پر راضی

نہیں ہیں لہٰذا ایک ایسی تنظیم قائم کی جائے جس میں وہ اسلام پسند حضرات جو جماعت کی پابندیوں کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں' شامل ہو سکیں۔ اس طرح ایک عوامی سیاسی اسلام پسند تنظیم بن جائے جو عوام کو متبادل قیادت فراہم کر سکے۔

گو کہ مجھ جیسے بہت سے لوگوں کو اس سوچ سے اختلاف ہے لیکن ہم مان لیتے ہیں کہ قائدین نے خلوص نیت سے جماعت کی سیاسی کمزوری کا یہی حل سمجھا لہٰذا ہمیں فرنٹ کو کام کرنے کا موقع دینا چاہئے' ممکن ہے کہ ہم ناقدین ہی غلط ہوں۔ اس موقع کو استعمال کر کے فرنٹ نے کیا کیا؟ فرنٹ کا تجربہ عملاً کیسا رہا؟

(الف) قاضی صاحب کی بسیار تگ و دو کے باوجود کوئی معروف غیر جماعتی اسلام پسند شخصیت فرنٹ میں نہیں گئی۔ زیادہ تر وہ سابق فوجی سامنے آئے جو خود آپ یا ان کے خاندان عرصہ دراز جماعت کے ہمدرد تھے۔ راجہ ظفر الحق کو بطور سیکرٹری جنرل لانے کی بڑی کوشش کی گئی' لیکن وہ نہ مانے۔ اور تو اور کوثر نیازی جیسے فاسق و فاجر اور جماعت دشمن کو لانے کی کوشش کی گئی' لیکن وہ بھی نہ مانا۔

(ب) یہ اعلان کیا گیا تھا کہ الیکشن میں جماعت حصہ نہیں لے رہی' فرنٹ حصہ لے رہا ہے۔ فرنٹ ایک الگ تنظیم ہے۔ اس کی الگ ممبر شپ' دستور' مالیات وغیرہ ہیں۔ مقامی جماعتوں کو فرنٹ کے ممبر شپ فارم بھروانے کے لئے دیئے گئے لیکن جیسے جیسے انتخابی مہم تیز ہوتی گئی' جماعت اور فرنٹ کا فرق مٹتا گیا۔ جماعتی ارکان کو فرنٹ کا کام کرنے پر مجبور کیا گیا حتیٰ کہ مرکز نے تمام مقامی جماعتوں سے ان ارکان کے نام طلب کئے جو فرنٹ کا کام کرنے سے انکاری ہیں تاکہ الیکشن کے بعد ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ مرکز نے باقاعدہ سرکلر جاری کیا ہے کہ فرنٹ کے امیدوار یا خود اپنا خرچہ اٹھائیں یا مقامی جماعت انہیں پیسے دے' دونوں ممکن نہ ہوں تو الیکشن میں حصہ نہ لیا جائے۔

(ج) فنڈز:۔ فرنٹ یا جماعت کے مرکزی فنڈ سے کچھ امیدواروں کو ایک لاکھ روپیہ دیا گیا' کچھ کو پانچ لاکھ۔ بہتوں کو کچھ بھی نہیں دیا گیا لیکن قاضی صاحب کی تینوں سیٹوں میں سے ہر سیٹ پر فی سیٹ پچاس لاکھ سے اوپر خرچ کیا گیا۔ نیز روزانہ قومی اخبارات کے پہلے صفحہ پر آدھے آدھے صفحہ کے قاضی صاحب کے اشتہارات چھاپے جا رہے ہیں۔ ساری پارٹیوں سے زیادہ فرنٹ کے اشتہار چھپ رہے ہیں۔ بقول ایک صحافی کے ان اشتہارات کا روزانہ کا بل چالیس پینتالیس لاکھ ہے۔ پبلک پوچھ رہی ہے کہ یہ پیسے کہاں سے آ رہے ہیں' اخبارات سوال کر رہے ہیں' خود کارکن حیران و پریشان ہیں کیونکہ اس دفعہ جماعت کے الیکشن فنڈ میں ۹۰ء کی نسبت ۱۰/۱ رقم بھی نہیں آ رہی۔ پنڈی اور لاہور سے تو تقریباً کچھ بھی نہیں ملا۔ پیسوں کے بارے میں ہر جگہ یہ سوال کیا جا رہا ہے۔ اسلام آباد میں ارکان کی ایک نشست میں قاضی صاحب نے فرمایا کہ الیکشن کے بعد ارکان کو بتاؤں گا' فی الحال دشمن پارٹیوں کی مدد کرتے ہیں۔۔۔۔ گویا قاضی صاحب نے بیرونی امداد کا اعتراف کر لیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون' کیسی بلندی اور کیسی پستی۔

(د) قاضی صاحب کی ذات کی پروجیکشن صرف اخبارات میں بھٹو اسٹائل اشتہارات تک محدود نہیں ہے' بڑے شہروں کے چوکوں میں بیس بیس فٹ اونچی قاضی صاحب کی بنائی ہوئی تصاویر' میرا قاضی کے اسٹیکر' فلمی دھنوں پر قاضی صاحب کی مدح میں نغمے' قاضی قاضی کی لے پر قاضی کے جیالوں کا رقص وغیرہ بھی شامل ہیں۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل اعتراض بلکہ کافرانہ نغمہ وہ ہے جو: "اللہ اللہ کر بھیا' اللہ ہی سے ڈر بھیا" کی جگہ بنایا گیا ہے: "قاضی قاضی کر بھیا' قاضی ہی سے ڈر بھیا"۔ استغفراللہ۔

ویسے آپ کو میں یہ خواہ مخواہ لکھ رہا ہوں' آپ کو ان باتوں پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ آپ خود امیر جماعت کا (Personality Cult) بنانے کے قائل ہیں۔ اپنی تربیت گاہوں میں مومنین کی نبی اکرم ﷺ سے محبت اور عقیدت کا سبق دیتے ہیں حالانکہ کہاں معصوم عن الخطاء اور کہاں حقیر پر تقصیر امراء۔ دونوں کو ایک ہی مقام دینا بہت بڑی جسارت ہے۔

(ہ) انتخابی مہم میں فرنٹ کو دوسری پارٹیوں پر کسی قسم کی اخلاقی برتری حاصل نہیں ہے۔ ووٹر فرنٹ اور پیپلز پارٹی کو ایک مقام پر رکھتا ہے' مسلم لیگ بھی پیچھے رہ گئی ہے۔ ڈھول ڈھمکے' بھنگڑے' گانے' اونٹوں اور گھوڑوں کے ساتھ میں قاضی صاحب کے جلوس' داتا دربار پر قاضی صاحب کی حاضری' قاضی صاحب کی زبان سے ناقابل عمل وعدے اور مخالفین پر رکیک حملے' پاسبان کے نمائندوں کے علاوہ خود جماعت کے ثقہ ارکان کی زبان سے اسٹیج سے مخالفین پر رکیک حملے۔ غرض کہ کون سا غلط کام ہے جو نہیں کیا گیا۔ سیٹلائٹ ٹاؤن پنڈی جماعت اسلامی کا روایتی حلقہ ہے۔ یہاں سے پی پی کا امیدوار اپنے ہر جلسہ میں جماعت والوں سے کہتا ہے کہ آپ لوگ ہمیں جمالو کی دھن پر ناچنے والے لوگ کہہ کر نفرت سے منہ پھیر لیتے تھے' اب تو آپ لوگ قاضی قاضی کی دھن پر بھنگڑے ڈالتے ہیں لہٰذا اب مجھے ووٹ دینے پر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغ داغ شد

(ز) مخلوط اجتماعات کی ترویج:۔

جب ہمیں معلوم ہوا کہ سوڈان کی نقل میں جماعت بھی ہر اسٹیج پر مشترکہ اجتماعات اور مشترکہ شورائیں منعقد کرنا چاہتی ہے تو یقین نہ آیا۔ جب حلقہ خواتین کے مرکز سے اس کی تصدیق ہو گئی تو تسلی آپ سے ملنے گئی' آپ بہت برہم ہوئے اور اس بات کو بہتان قرار دیا اور بتایا کہ آپ خود چہرے کے پردے کے قائل ہیں۔ پتہ نہیں آپ کس دنیا میں رہتے ہیں۔ قاضی صاحب کے سب سے اہم نائب ہونے کے باوجود آپ ان کی سوچ نہیں جانتے کیونکہ واقعات ہماری اطلاعات کی تصدیق کر رہے ہیں۔

قاضی صاحب نے الیکشنی مہم کی ابتداء امریکن طرز پر Whistle Stop Meetings سے کی۔ آپ ریل پر پنڈی سے لاہور گئے۔ ہر اسٹیشن پر مقامی جماعت حاضرین لائی تھی' جنہیں انہوں نے خطاب کیا۔ ان حاضرین میں خواتین بھی تھیں۔ پہلی بار اسٹیشنوں پر استقبال کے لئے' مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی لایا گیا۔

پچھلے دنوں قاضی صاحب کی اہلیہ اور بیٹیاں قاضی صاحب کی سیٹ پر کام کرنے کے لئے کراچی گئیں۔ جسارت میں بڑی بڑی اپیلیں چھاپی گئیں کہ فرنٹ کی مرکزی قائد بیگم قاضی کے استقبال کے لئے زیادہ سے زیادہ خواتین ایئر پورٹ جائیں۔ خود جماعت اسلامی کراچی بسوں میں بھر بھر کر خواتین کو لے گئی اور خوب استقبالی نعرے لگائے گئے۔ ایئر پورٹ پر مردوں کا ویسے ہی ہجوم ہوتا ہے' ان میں جماعت کی جوان جہاں لڑکیاں گھسی ہاتھ لہرا لہرا کر نعرے لگا رہی ہیں۔ سبحان اللہ۔

بعد ازاں جب قاضی صاحب کراچی گئے تو پھر جسارت نے خواتین کو ایئر پورٹ پر آنے کی اپیل کی اور شہر سے بسوں میں ڈھویا۔ بقول نوائے وقت مردوں کے علاوہ ہزاروں خواتین آئی تھیں۔ انہوں نے بھی خوب نعرے لگائے اور قاضی صاحب پر گل

پاشی کی۔

فرنٹ کے اکثر جلسوں میں اسٹیج سے بچیوں کے ترانے ہوتے ہیں۔ اس دفعہ تو دس بارہ سال کی بچیاں تھیں' جب جماعتی ان کے عادی ہوجائیں گے تو کیا جوان لڑکیاں لائی جائیں گی؟

اگست میں منصورہ میں خواتین اساتذہ کا دو روزہ ورکشاپ ہوا۔ آڈیٹوریم میں انتظام تھا۔ جب خواتین ہال میں داخل ہوئیں تو پردے اور قناعتیں ہٹادئے گئے۔ اتنے میں پہلے مقرر صاحب تشریف لائے وہ یہ صورتحال دیکھ کر بغیر بولے واپس چلے گئے۔ چند خواتین نے اپنی چادروں سے ڈائس پر رکھی کرسی میز کے سامنے پردہ تان دیا۔ اب قاضی صاحب تشریف لائے' انہوں نے کرسی کھینچ کر پردے سے باہر نکالی اور خواتین کے سامنے بیٹھ گئے۔

اب تو عام کارکنوں کو بھی یقین ہوتا جارہا ہے کہ جماعت کی موجودہ قیادت نے خواتین کی قدامت پرستی سے تنگ آکر عورتوں' مردوں کے زیادہ سے زیادہ زادنہ میل جول کی پالیسی کو شعوری طور پر اختیار کیا ہے۔ ایک دفعہ یہ سلسلہ شروع ہوگیا تو پردہ کیا اور بھی ت کچھ ختم ہوجائے گا اور جو کام اتاترک نے ریاستی جبر کی مدد سے کیا وہ کام ایک اسلامی جماعت اسلام کے نام پر اطاعت امیر کے جبر کی مدد سے کروالے گی۔ آخر میں جماعت کے بارے میں بنیادی باتیں گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) جماعت اسلامی بھی دوسری این جی اوز (غیر حکومتی تنظیموں) کی طرح ایک رضاکارانہ انجمن ہے۔ ہم خیال لوگ اپنی مرضی سے ایک تنظیم کے رشتہ میں جڑ گئے ہیں۔ نہ کسی کو شامل ہونے پر مجبور کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی شمولیت کے بعد منسلک رہنے پر۔

(۲) تنظیم کے ارکان باہمی تعلقات کو منضبط کرنے کے لئے ایک دستور بناتے ہیں۔ دستور جتنا زیادہ جمہوری ہوگا' جتنا زیادہ ارکان کو تنظیمی فیصلوں میں شریک کرے گا' افکار و خیالات کے دو طرفہ بہاؤ کو جتنا زیادہ ممکن بنائے گا اتنی ہی زیادہ وہ جماعت پھولے پھلے گی۔

(۳) تنظیم کے لیڈر کثرت رائے سے چنے جاتے ہیں لیکن ہر کامیاب تنظیم کی بنیاد پر اتفاق رائے پر ہے' بلکہ این جی او تو اتفاق رائے کے بغیر چل ہی نہیں سکتیں۔ جہاں اکثریت اپنے فیصلہ اقلیت پر تھوپنے کی کوشش کرتی ہے وہاں اقلیتی جماعت چھوڑ جاتی ہے۔ چونکہ جماعتوں کی زندگی میں روز ہی متنازعہ فیہ مسائل آتے رہتے ہیں لہٰذا روز ہی اقلیتی رائے اور اکثریتی رائے کا مسئلہ اٹھتا رہتا ہے۔ اگر روز ہی اکثریت جبر کرے اور اقلیت جماعت چھوڑ جائے تو کچھ عرصہ میں جماعت ختم ہوجائے گی۔

(۴) جماعت اسلامی کا دوسری این جی اوز سے ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ یہ صرف محدود مقاصد کے حصول کے لئے مجتمع ہونے والے افراد کی تنظیم نہیں ہے۔ اس کے اراکین اجتماعی زندگی میں اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں لہٰذا ارکان سے شریعت کی پابندی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ بنابریں ارکان کی تعداد تاسیس جماعت کے ۵۰ سال کے بعد بھی دس ہزار بھی نہیں ہوسکی۔ اگر آج جماعت اسلامی کا پاکستان میں اور بیرون پاکستان کوئی مقام ہے تو اس کی وجہ ارکان کی تعداد نہیں بلکہ:

(الف) مولانا مودودیؒ کی انمول تحریریں ہیں جو لاکھوں افراد کی ہدایت کا باعث بنیں اور قرنوں تک بنتی رہیں گی۔

(ب) جماعت کے ارکان کا اخلاص' ایثار' امانت و دیانت اور نظم و ضبط ہے۔

(ج) لاکھوں رفقاء' متاثرین اور تعلیم یافتہ پاکستانیوں کی اکثریت کی جماعت سے ہمدردی اور اعانت ہے۔

(۵) جماعت اسلامی کی تنظیم نے وہ اسٹیل فریم فراہم کیا' جس نے ہم خیال افراد اور تنظیموں کو اپنے ساتھ باندھ کر رکھا اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جماعت کے تمام جلسے' جلوسوں' تمام احتجاجوں اور تحریکوں اور ہر سطح کے الیکشنوں میں وسائل اور افرادی قوت متفقین اور متاثرین فراہم کرتے ہیں۔ اگر یہ حلقہ ختم ہوجائے تو جماعت کی قوت بھی ختم ہوجائے گی۔ ارکان جماعت کی مختصر تعداد بذات خود کوئی وزن نہیں رکھتی۔

آج ہم اپنی آنکھوں کے سامنے جماعت کا شیرازہ منتشر ہوتے دیکھ رہے ہیں' بقول آپ کے کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ شروع سے لوگ جماعت سے علیحدہ ہوتے رہے ہیں' اب بھی کچھ لوگ جماعت کو چھوڑ گئے تو جماعت کا کچھ نہیں بگڑے گا---- اس کا حتمی ثبوت تو الیکشن کے نتائج سے ملے گا کہ اس دفعہ لوگوں کے چھوڑنے سے جماعت کا کچھ بگڑا یا نہیں بگڑا لیکن میرے علم کی حد تک اس دفعہ چند افراد نہیں' ہزاروں لوگ جماعت کی قیادت سے باغی ہوگئے ہیں۔ میں ایسے جوان ارکان سے واقف ہوں جن کے والدین نے انہیں قسم دی ہے کہ وہ فرنٹ کو ووٹ نہیں دیں گے۔

اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ نواز شریف اچھا ہے یا برا' پیپلز پارٹی کی تاسیس سے لے کر ۱۹۹۲ء تک آپ لوگوں نے اپنی تقریروں اور گفتگوؤں میں اس کو تقریباً کافر کا درجہ دیا اور اس کے خلاف نیپ جیسی قوم پرست سیکولر جماعتوں سے بھی تعاون کیا۔ آج آپ کہتے ہیں کہ پی پی اور مسلم لیگ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں' اس یوٹرن کو عام آدمی کیسے مان سکتا ہے؟ ہر شخص یہی کہتا ہے کہ یا آپ پہلے غلط تھے یا اب ہیں؟۔ ہر کارکن یہ کہہ رہا ہے کہ ۱۳ امراء اور ۲۵ سال پر محیط پالیسی غلط نہیں ہوسکتی' آج کی پالیسی غلط ہے۔ اس خیال کو موجودہ قیادت کے غیر جمہوری رویے سے زیادہ تقویت پہنچ رہی ہے۔

ممکن ہے کہ آپ کے پاس موجودہ پالیسی کے لئے بڑے مضبوط دلائل ہوں لیکن آپ لوگوں نے جماعت کے متفقین اور متاثرین تو کجا اپنے ارکان کو بھی مطمئن کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلاشبہ قاضی صاحب چند شہروں میں جاکر مقامی وفود سے ملے' لیکن یہ گفت و شنید کے بجائے صرف قاضی صاحب گفت کی نشستیں تھیں۔ لوگ قائل نہیں ہوئے۔ اتنی بڑی پالیسی کی تبدیلی کی توثیق کل پاکستان اجتماع ارکان سے یا ارکان سے ریفرنڈم کی شکل میں کرائی جانی چاہئے تھی۔ اس کے بجائے یہ کہا جاتا رہا (اور آپ نے لکھا) کہ:

"پالیسی سازی امیر جماعت اور مرکزی اداروں کا کام ہے' ان پر اعتماد کرو"۔

ہم اندھے اور بہرے نہیں ہیں' ہم روبوٹ نہیں ہیں۔ ہمارا دین تو ہمیں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے' ہمارا ایمان تو انفرادی جواب دہی پر ہے' قاضی صاحب میری قبر میں نہیں جائیں گے' اور نہ ہی میری طرف سے یوم حشر جواب دہی کریں گے۔ ارکان جماعت پر تو آپ اطاعت امیر کے کوڑے برسا کر ان سے کسی حد تک جبراً اطاعت کرواسکتے ہیں' لیکن متفقین اور متاثرین اس جبر کو نہیں مانیں گے۔

مرکزی شوریٰ کی جو درگت بنائی گئی ہے وہ اب اخباروں میں چھپ چکا ہے۔ اب جماعتی اور غیر جماعتی حلقوں میں تلخ بات کہی جارہی ہے کہ جماعت ایک فسطائی تنظیم ہے۔ اس کا امیر ضرور منتخب ہوتا ہے لیکن نئے انتخابات تک وہ مختار کل ہے۔ تمام عہدیدار' تمام ادارے اس کی مرضی کے تابع ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

گزشتہ سے پیوستہ

ایک قدرتی اور منطقی توازن کا ذریعہ

پاکستان کا اصل مسئلہ ”اکثریت“ کے غلبے کا خوف ہے

رشید احمد قدوائی

مقالہ نگار کی مجوزہ انتظامی تقسیم

ون یونٹ کے قیام سے چھوٹے صوبوں کو خاص تشویش یہ تھی کہ پنجاب کو بڑی فوقیت حاصل ہو جائے گی۔ جب کہ صوبوں کی تشکیل نو کا مقصد ۱۹۷۳ء کے آئین کے اندر رہتے ہوئے Decentralization of power ہے۔ اس طرح MAJORITY FEAR COMPLEX سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

مرکز کے پاس صرف چار (۴) اختیارات رہیں گے۔ دفاع، کرنسی، بین الاقوامی تعلقات اور مواصلات ۔ باقی تمام اختیارات صوبوں کو تفویض کر دیئے جائیں گے جو اپنی جگہ بلدیاتی اداروں کو بااختیار بنائیں گے۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کا ہر قدم قرار داد مقاصد سے ہم آہنگ ہو گا اس لئے کہ قرارداد مقاصد دستور کا جزولاینفک ہے۔

(۱۵) چھوٹے صوبے ہونے کی وجہ سے انتخابات کے ذریعہ باہم مختلف اتحاد بنا کر مضبوط قومی حکومت کی تشکیل دے سکیں گے۔ چھوٹے صوبوں کی مرکز سے وابستگی ان کی خوشحالی اور بقاء کی ضمانت ہوگی۔ شاعر مشرق علامہ اقبال کا یہ خیال بلاشبہ حقیقت پر مبنی ہے کہ قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی۔

(۱۶) سینٹ کی ہیئت ترکیبی پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ مساوی نمائندگی قائم رہے گی۔

(۱۷) ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے وقت کے نقشہ کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ سرحد میں ۴ ڈویژن تھے۔ پنجاب میں ۵ سندھ میں ۳ اور بلوچستان میں ۴ ۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے پنجاب میں ایک ڈویژن کم کر دیا جائے اور سندھ میں ایک ڈویژن بڑھا دیا جائے تو ہر صوبہ کے برابر برابر ڈویژن ہو جائیں گے۔ ان ڈویژنوں کے حدود اربعہ تقریباً متعین ہیں اس لئے صوبوں کی حدود میں زیادہ ردوبدل نہیں کرنا پڑے گا۔ تمام نئے ڈویژنوں کو صوبہ کا درجہ دے دیا جائے تاکہ صوبوں کے مابین ایک قدرتی اور منطقی توازن پیدا ہو جائے۔

(۱۸) اس سلسلہ میں ایک آئینی قباحت ضرور ہے۔ آئین کے آرٹیکل ۲۳۹ شق ۷ کے تحت صوبے کی حدود میں ردوبدل کے لئے دستور میں ترمیم کا بل قومی اسمبلی اور سینٹ دونوں اس وقت تک منظور نہیں کر سکتیں جب تک متعلقہ صوبے کی اسمبلی اپنی کل تعداد کی کم از کم دو تہائی ووٹوں سے منظور نہ کر لے۔ اول تو آئین کی یہ شق کوئی آسمانی صحیفہ نہیں ہے کہ جس میں تبدیلی نہ لائی جا سکتی ہو اور دوسرے صوبوں کے مسئلے میں آئینی پہلو کے علاوہ ایک اور پہلو ہے جس سے اس مسئلہ کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ وہ مفاد عامہ کا نقطہ ہے۔ انتظامی پہلو سے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آیا ہماری موجودہ صوبائی حد بندی عوام کے لئے سہولت اور رحمت کا سبب ہے یا اس کے برعکس۔

(۱۹) ایک مرتبہ ملک کے اجتماعی مفاد میں یہ قدم اٹھا لیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ کچھ عرصہ بعد نئے صوبوں کے باشندے پرانے ناموں کو بھول جائیں گے جیسے کہ اب کس کو یاد ہے کہ ۱۹۰۱ء تک پنجاب پشاور کا حصہ تھا یا ۱۹۳۵ء تک سندھ بمبئی میں شامل تھا اور تو اور اب کون ذکر کرتا ہے کہ ۱۹۴۷ء تک مشرقی اور مغربی پنجاب ایک صوبہ تھے۔ا.. کئی ممالک صوبوں کی تشکیل نو کا کامیاب تجربہ کر چکے ہیں۔

(الف) ۱۹۶۰ء میں نائیجریا کے ۴ صوبے تھے جن میں شمالی صوبہ کی آبادی پنجاب کی طرح، ملک کی ۶۵% تھی۔ چھوٹے صوبے بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔ مشہور بغاوت COL O JUKOWO کی ہے جس نے بیافرا کی آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ بیافرا کی بغاوت

کو ختم کرنے میں ۳ سال لگے۔ GOWN GENERAL نے ۱۹۶۷ء میں نائیجریا کو ۱۲ صوبوں میں تقسیم کرتے ہوئے ایک نائیجریا کا نعرہ بلند کیا۔ GENERAL MURTALE MOHAMMAD نے ۱۹۷۵ء میں مزید ۷ صوبے بنائے۔ اس طرح نائیجریا میں ۱۹ صوبے بنا کر حالات پر ہمیشہ کے لئے قابو پا لیا گیا۔

(ب) لیبیا ۱۹۵۱ء میں آزاد ہوا۔ اس وقت لیبیا کے ۳ صوبے تھے۔ ۱۹۶۳ء میں لیبیا کے ۱۰ صوبے بنائے جانے سے قومی یکجہتی کو فروغ حاصل ہوا۔

(ج) برصغیر کی تقسیم کے بعد ہندوستان میں ۹ صوبے تھے۔ آج ۳۳ ہیں اور ۷۰ کا منصوبہ ہے۔ مشرقی پنجاب کے ۳ صوبوں ہریانہ' ہماچل پردیش اور پنجاب میں تقسیم ہو جانے کے بعد وہاں کی زبردست زرعی' صنعتی اور تجارتی ترقی کے مقابلے میں ہمارے اپنے پنجاب میں ترقی کی رفتار بہت سست اور ناقص رہی ہے۔ اس سے دونوں ممالک کے رہنماؤں اور ذمہ دار افراد کی ذہنیت و تدبر کا فرق صاف ظاہر ہوتا ہے۔

(د) ۱۹۷۱ء میں MARSHAL TITO نے یوگوسلاویہ کو ۸ صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

(ر) سعودی عرب نے ملک کو ۱۴ انتظامی وحدتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

(خ) اور ممالک کو چھوڑیئے' خود حضرت عمرؓ نے فتوحات کے بعد اسلامی ریاست کو ۱۴ صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر صوبہ کے لئے ایک گورنر مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ہمیشہ عدل پر زور دیا۔

کچھ حضرات کا خیال ہے کہ بلوچستان کے ۴ صوبے آبادی کے لحاظ سے بہت چھوٹے ہو جائیں گے۔ ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ترکی کی آبادی ۶ کروڑ ہے جو ۲۷ انتظامی یونٹس میں تقسیم ہے۔ سب سے بڑے انتظامی یونٹ استنبول کی آبادی ۶۰ لاکھ ہے اور سب سے چھوٹے یونٹ تن سلیس کی آبادی ۲ لاکھ ہے۔ بلوچستان کے کسی صوبہ کی آبادی دو لاکھ سے کم نہیں ہوگی۔

ایک اور مثال TONY SAN MARINO کی ہے۔ اس ملک کی آبادی صرف ۲۵،۰۰۰ ہے اور وہ UNO کا ایک سو پچھترواں (175th) ممبر ہے۔

بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ "صوبوں کی تشکیل نو" سے پیشتر نئے صوبوں کے معاشی' اقتصادی اور تنظیمی اخراجات کا مکمل جائزہ پیش کیا جائے۔ میں ان کی توجہ ایک انٹرویو کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جو ان کے لئے تشفی بخش جواب فراہم کرتا ہے۔

VERDICT ON INDIA نامی کتاب کے مصنف BEVERLEY NICHOLS نے ۱۸ دسمبر ۱۹۴۳ء کو قائداعظم سے انٹرویو کیا۔

سوال: "آپ کے ناقد آپ پر سب سے بڑا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ دفاع' معاشیات' اقلیتیں' غرضیکہ بہت سی تفصیلات ہیں جو آپ نے جان بوجھ کر مبہم چھوڑ دی ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جائز تنقید ہے۔"

جواب: "یہ اعتراض صحیح ہے نہ وزن دار۔ خاص طور پر جب کسی انگریز کی طرف سے کیا جائے جسے اپنی تاریخ کا علم ہے۔ جب آئرلینڈ کو برطانیہ سے علیحدہ کیا گیا تو وہ دستاویز جس میں آزادی کی شرائط درج تھیں صرف دس (۱۰) سطور پر مشتمل تھی۔ تمام تفصیلات مستقبل پر چھوڑ دی گئیں تھیں اور مستقبل عموماً بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ میں نے دنیا کو دس لائنوں سے زیادہ بتایا ہے کہ پاکستان میں اصول و ضوابط کیا ہوں گے لیکن یہ کسی بھی انسان کے بس سے باہر ہے کہ کوئی ایسا بلیو پرنٹ مہیا کرے جس میں مستقبل کی تمام تفصیلات طے کر دی گئی ہوں"۔

اس پر ہندوستان کی تاریخ گواہ ہے کہ ایسا بلیو پرنٹ غیر ضروری ہے۔ اس وقت ایسا بلیو پرنٹ کہاں تھا جب گول میز کانفرنس کے موقع پر برما کو ہندوستان سے علیحدہ کرنے کا سوال طے کیا گیا تھا۔

اس وقت بلیو پرنٹ کہاں تھا جب سندھ کو بمبئی سے الگ کیا گیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے بلیو پرنٹ کا وجود نہیں تھا۔ سب سے اہم نقطہ یہ تھا کہ علیحدگی کا اصول تسلیم کر لیا گیا تھا باقی سب خود طے پایا گیا تھا۔

قرار داد لاہور

قرار داد لاہور مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء میں مشرقی اور مغربی ہندوستان میں مسلمان اکثریتی علاقوں کے لئے INDEPENDENT STATES کا تذکرہ ہے۔ ۸ اور ۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی میں مسلمان منتخب نمائندوں نے قرار داد لاہور میں تبدیلی کر کے ایک ریاست کا لفظ استعمال کیا۔ علامہ ڈاکٹر اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء میں الہ آباد کے خطبہ میں چودھری رحمت علی صاحب نے اپنے ۲۸ جنوری ۱۹۳۳ء کے پمفلٹ "NOW-OR-NEVER" میں صرف موجودہ پاکستان کا ذکر کیا تھا۔ کاش کہ ۱۹۴۶ء میں ایک ریاست کا تصور نہ اپنایا جاتا تو ہمیں سقوط ڈھاکہ ایسے سانحہ سے دوچار نہ ہونا پڑتا اور ۱۹۴۷ء میں برصغیر ہند میں دو مسلم ریاستیں معرض وجود میں آگئی ہوتیں لیکن ۱۹۴۶ء میں قائداعظم اور مسلمانوں کے دیگر رہنماؤں کے سامنے اہمیت ہندوؤں کے مقابلہ میں ایک متحدہ اسلامی محاذ پیش کرنے کی تھی اس لئے اس وقت برصغیر ہند کے مغربی اور مشرقی حصوں پر مشتمل دو آزاد مسلم ریاستوں کے بجائے ایک پاکستان کا فارمولا پیش کیا گیا جس میں پاکستان دونوں بازوؤں کی دوری اور درمیان میں ایک دشمن ملک کی موجودگی ایسے مسائل پر غور و خوض نہ کیا جا سکا۔

سقوط ڈھاکہ کے اسباب کی روشنی میں موجودہ پاکستان کی بقاء' سلامتی' یگانگت اور یکجہتی کے لئے صوبوں کی تشکیل نو واحد طریقہ نظر آتا ہے۔ صوبوں کی تشکیل نو پر ایک ایسے ملک کی سالمیت اور استحکام کا دارومدار ہے جس کی تخلیق کا مقصد صرف ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنا نہ تھا بلکہ ایک ایسی اسلامی ریاست کا قیام تھا جو خدا پرستی' خدا ترسی' زہد و تقویٰ' طہارت اخلاق' عدل و انصاف' انسانی مساوات' مالداروں کی فیاضی' غریبوں کی خبرگیری' عہد و پیماں کی پاسداری اور معاملات میں راست بازی کا عملی نمونہ پیش کرے جو لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا چلا جائے۔ ایسی ریاست میں قومیتوں پر زور اور ذاتی مفادات کو اجتماعی مفادات پر ترجیح دینے کے بجائے صوبوں کی تعداد میں اضافہ کر کے صحیح جمہوری نظام قائم کرنا چاہئے۔ اس طرح اقتدار کے سرچشمہ تک عوام کی رسائی آسان تر ہو جائے گی۔ اس اضافی تعداد کا خاص نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگوں کے دلوں کو حکومت میں شرکت کا احساس قوی ہو جائے گا۔

میں قائداعظم کی تقاریر کے چند نصیحت آموز اقتباسات پیش کرونگا۔

تقریر ڈھاکہ ریڈیو ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء

اگر ہم خود کو بنگالی' پنجابی' بلوچی اور سندھی وغیرہ پہلے اور مسلمان اور پاکستانی بعد میں سمجھنے لگیں گے تو پھر پاکستان لازماً پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گا۔ اسے کوئی معمولی بات قرار دیکر ٹالئے نہیں۔ اس کے امکانات سے ہمارے دشمن بخوبی آگاہ ہیں اور میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ پہلے ہی اس سے غلط فائدہ اٹھانے میں مصروف ہیں۔ میں اس صوبائی عصبیت کے اس زہر سے خبردار کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے دشمن ہماری مملکت میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔

اسلامیہ کالج پشاور ۱۲ اپریل ۱۹۴۸ء

آپ کو اپنے صوبے کی محبت اور اپنی مملکت کی محبت کے درمیان امتیاز کرنا سیکھنا چاہئے۔ یاد رکھئے ہم ایک ایسی مملکت کی تعمیر کر رہے ہیں جو پوری اسلام دنیا کی تقدیر بدل دینے میں اہم ترین کردار ادا کرنے والی ہے۔ اس لئے ہمیں وسیع تر اور بلند تر بصیرت کی ضرورت ہے۔ ایسی بصیرت جو صوبائیت' قوم پرستی اور نسل پرستی کی حدود سے ماورا ہو۔ ہم سب میں حب الوطنی کا ایسا شدید اور قومی جذبہ پیدا ہونا چاہئے جو ہم سب کو ایک متحد اور مضبوط قوم کے رشتے میں جکڑ دے۔ یہ واحد طریقہ ہے اپنی منزل پر پہنچنے کا۔ اپنی جدوجہد کا نصب العین حاصل کرنے کا۔ وہ مقصد عظیم جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا ہے اور اپنی جانیں تک قربان کر دی ہیں۔

کوئٹہ میں شہری سپاسنامہ کا جواب
۱۵ جون ۱۹۴۸ء

"بلوچستان آزاد اور بہادر انسانوں کی سرزمین ہے اس لئے آپ کی نظروں میں قومی آزادی' عزت اور طاقت کے الفاظ کی خاص قدر و قیمت ہونی چاہئے یہ "ملکی" اور "غیر ملکی" کی باتیں نہ ملک کے لئے مفید ہیں نہ آپ کے شایان شان ہیں۔ اب تو ہم سب پاکستانی ہیں۔ ہم نہ بلوچی ہیں' نہ پٹھان ہیں' نہ سندھی ہیں' نہ بنگالی' نہ پنجابی۔ ہمارے احساسات اور طرز عمل بھی پاکستانیوں جیسے ہونے چاہئیں اور ہمیں چاہئے کہ بجائے کسی اور نام کے ہم صرف "پاکستانی" کہلائے جانے پر فخر محسوس کریں۔"

یہ بالکل عیاں ہے کہ ہم نے قائداعظم کی تنبیہہ اور نصیحتوں کا سنجیدگی سے احاطہ نہیں کیا۔ دشمن اپنی سازشوں میں کامیاب ہو گئے اور پاکستان دولخت ہو گیا۔ موجودہ پاکستان کے استحکام کے لئے واحد طریقہ "صوبوں کی تشکیل نو" ہے جس کی افادیت اور اہمیت کا اظہار WHITHER-PAKISTAN میں حسب ذیل انداز سے پیش کیا گیا ہے۔

"صوبوں کی تشکیل نو کیلئے ارباب اقتدار کو چاہئے کہ وہ اہل الرائے پر مبنی حضور ﷺ کی حدیث کی روشنی میں ایک کمیٹی تشکیل دیں جو وقت مقررہ میں ہر پہلو کا جائزہ لیکر اپنی رپورٹ پیش کرے جس پر فوری طور پر عمل کیا جائے۔"

حدیث شریف

یا معشر القرا استقیموا فقد سبقتم سبقا بعیدا ولا تاخذوا یمینا ولا شمالا فقد ضللتم ضلالا بعیدا

(اے پڑھے لکھے لوگو تم استقامت اختیار کرو۔ تم دور دور تک غالب ہو جاؤ گے اور دائیں بائیں انحراف نہ کرو ورنہ دور دور تک گمراہی پھیل جائے گی)

ہمیں امریکہ کی مثال اپنے سامنے رکھنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ہر طرح سے نوازا ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے قائد اعظم سے کہا کہ پنجاب بہت خوشحال ہے تو انھوں نے مسکرا کر فرمایا پنجاب کی خوشحالی زمین کے اوپر ہے اور بلوچستان کی خوشحالی زمین کے نیچے۔ اس وقت مشرق بعید میں پانچ ترقی یافتہ ممالک ہیں جنوبی کوریا' جاپان' ہانگ کانگ' تائیوان اور سنگاپور جن کا مجموعی رقبہ تقریباً ۲ لاکھ ۲۵ ہزار مربع میل سے زیادہ ہے۔ پھر یہ پانچوں ممالک اپنی صنعتی ترقی کیلئے درآمدی خام مال کے مرہون منت ہیں جب کہ بلوچستان معدنیاتی ذخائر سے مالا مال ہے۔ ہم لوگ غور نہیں کرتے کہ کتنی روٹیاں اور پکا سکتے ہیں ہم تو پکی پکائی روٹیوں کو چھین کر کھانا چاہتے ہیں۔ دیانت دارانہ محنت سے عاری قوم کبھی بام عروج پر نہیں پہنچ سکتی۔ آخر جنوبی کوریا نے پنج سالہ منصوبہ پاکستان سے لیکر قابل رشک ترقی کی ہے تو آخر ہم کیوں نہیں کر سکتے؟

ہمارے حسب حال ایک شعر ہے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی تھا

اسی موضوع پر قائد اعظم نے قوم کے نام ایک پیغام میں ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء کو فرمایا تھا۔

"محب وطن عناصر کی فہم و فراست اور تدبیر و تدبر سے امید ہے کہ وہ وقت کی نزاکت کا احساس اور حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے ملک کے اتحاد اور استحکام کی خاطر مثبت انداز اختیار کریں گے لیکن اگر پاکستانی حکمرانوں کی تن آسانی۔ عیش کوشی اور فکر فردا سے بے نیازی کا' علماء اور مشائخ کی بے عملی اور دنیاداری کا' باشعور طبقہ کی حقائق سے چشم پوشی کا' اجتماعی امور اور قومی مسائل سے ہماری روز افزوں بے حسی اور لاتعلقی کا مظاہرہ جو آج کے پر آشوب دور میں نظر آ رہا ہے' یونہی قائم رہا تو مجھے ڈر ہے کہ خدانخواستہ PROFESSOR DANIAL SCHUEMANN کی پیشگوئی صحیح ثابت ہو گی۔" ۳ جون ۱۹۴۹ء کو ایشیاء کی سیاست کے موضوع پر بروک لین نیویارک میں لیکچر دیتے ہوئے PROFESSOR DANIAL SCHUE-MANN نے کہا تھا کہ "جنوب مشرق ایشیاء میں آنے والی نوزائیندہ مملکت پاکستان خود اپنے پیدا کردہ مسائل و مشکلات کا شکار ہو جائیگی۔ اس کے وجود کا مستقبل غیر محفوظ ہے اور آنے والا وقت ثابت کر دے گا کہ نصف صدی کے اندر یہ مملکت خود اپنے عوام کے ہاتھوں ختم ہو جائیگی کیونکہ اس ملک کے لوگ نسلوں سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہے ہیں۔ وہ نہ صرف آزاد مملکت کے تصور سے نا آشنا ہیں بلکہ وہ آزادی کی محبت سے بھی نابلد ہیں۔ ان کی ذہنی سوچ ذاتی مفاد سے آگے نہیں جا سکتی۔ میری اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے۔ میں اس سے اور ان کی فکر سے بخوبی واقف ہوں۔"

سیاسی پارٹیوں' تنظیموں اور محب وطن اہل الرائے کی ایک بہت بڑی تعداد "صوبوں کی تشکیل نو" کی حامی ہے۔ جن پارٹیوں کے منشور اور جن حضرات کے بیانات میری نگاہ سے گزرے ہیں انکی فہرست حسب ذیل ہے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ حمایت کرنے والوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔

سیاسی پارٹیاں

نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی' غریب عوام پارٹی
پاکستان نیشنل لیگ' خالص اسلامی طرز حکومت تحریک
جمعیت علمائے پاکستان (نیازی)' اتحاد ملت
جمیعت علمائے پاکستان (نورانی)' جیوے جیوے پاکستان پارٹی
تحریک استقلال' نیشنل لبرل پارٹی
جماعت اسلامی' انجمن استحکام پاکستان
پاکستان ملت پارٹی' تحریک استحکام پاکستان
عوامی جمہوری پارٹی' صوبے بناؤ تحریک
مسلم لیگ (خیرالدین گروپ)' پاکستان قومی کونسل
عوامی نیشنل پارٹی' تعمیر پاکستان پارٹی
مسلم لیگ (جونیجو گروپ)' پاکستان قومی موومنٹ
انڈی پنڈنٹ پارلیمنٹری گروپ' نیشنل یونٹی پارٹی
جمیعت علمائے اسلام (فضل الرحمن گروپ)' پاکستان رابطہ کونسل
مسلم رابطہ کونسل' پنجابی پختون اتحاد
پاکستان قومی تحریک' پاکستان سرائیکی پارٹی

انصاری کمیشن رپورٹ

نظام حکومت کے متعلق "انصاری کمیشن

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بقیہ پریس ریلیز

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ان حالات میں مساوات کا نعرہ بھی ایک فریب ہے اور جمہوریت یا حق رائے دہی بھی بظاہر خوش نما تو ہے لیکن در حقیقت دھوکہ کی ٹٹی سے زیادہ کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری آبادی کی عظیم اکثریت جاگیرداروں کے رحم و کرم پر ہے' ووٹ کی پرچی جن کے ہاتھوں میں تھما کر ہم اگر اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ملک میں عوام کی حاکمیت کا سکہ رائج ہوگیا تو یہ خود فریبی یا امریکہ کو خوش رکھنے کی ایک کوشش ہے جو اپنے گھر میں بھی سرمایہ داروں کی بد ترین آمریت کا مزہ چکھ رہا ہے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ اسلام انسانیت کو ہر سطح پر عدل و قسط کی ایک بہترین میزان عطا کرتا ہے جس میں ذمہ داریوں اور حقوق کے مابین ایک مثالی توازن پایا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں عدل و قسط کے لئے انصاف کا لفظ ایک بار بھی استعمال نہیں ہوا۔ کیونکہ انصاف کے مفہوم میں نصف نصف کرنے کی کیفیت پائی جاتی ہے جو عدل کی روح کے خلاف ہے کیونکہ ہر کسی کو اس کی صلاحیت کے مطابق ذمہ داری اور ذمہ داری کے حساب سے حقوق دینا خدائی نظام کی بنیاد ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہماری دو مذہبی جماعتوں کے منشور بھی جاگیرداری کے خاتمہ اور اراضی کی ملکیت کی حد مقرر کرنے کا وعدہ کرتے ہیں لیکن چونکہ انہیں معلوم تھا کہ منشور پر عمل در آمد کا وقت آئے گا ہی نہیں' لہٰذا انہوں نے یہ سوچنے کی زحمت بھی نہ کی کہ وہ کسی شخص سے اس کی ملکیت کا کوئی حصہ کس اسلامی اصول کے تحت چھین سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سپریم کورٹ کا شریعت اپیلٹ بینچ بجا طور پر یہ قرار دے چکا ہے کہ آپ کسی کی ملکیت یہ ثابت کئے بغیر نہیں چھین سکتے کہ اس کا دعوی ملکیت باطل اور قبضہ غاصبانہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جاگیرداری کا خاتمہ اگر مطلوب ہے تو ہمیں ایک نیا بندوبست اراضی کرنا ہوگا جس کی بنیاد اس حقیقت پر ہوگی کہ پاکستان کی پوری اراضی خراجی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے مطابق جس پر پوری امت کا اجماع ہے' ہماری زمینیں عشری نہیں بلکہ خراجی ہیں جنہیں قابض کاشتکار حکومت سے بٹائی پر حاصل کرکے حکومت کا حصہ بیت المال کو دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ خراج کی یہ رقم اگر ریاست کے بیت المال میں آنے لگے تو ٹیکسوں کے موجودہ فرسودہ نظام سے بھی ہماری جان چھوٹ جائے گی جس نے ہماری پوری تاجر برادری کو بے ایمانی پر مجبور کردیا ہے۔OO

بقیہ صوبوں کی تشکیل نو

رپورٹ" مورخہ ۴ اگست ۱۹۸۳ء اردو ترجمہ صفحہ ۶۳ - ۷۰ تک میں صوبوں کی تشکیل جدید کے فوائد بڑے اچھے پیرائے میں اور مدلل طریقہ سے حکومت اور عوام کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ اس رپورٹ میں متعدد حضرات کے مضامین کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں جن میں راقم الحروف کے دو مضامین بھی شامل ہیں۔

رائے عامہ

"صوبوں کی تشکیل نو" استحکام پاکستان کیلئے ایک اہم قدم ہے اس لئے اس کی تشہیر ضروری ہے تاکہ رائے عامہ استوار کی جاسکے لیکن اصل فیصلہ اہل الرائے کو ہی کرنا ہے جن کا قوم کیلئے وہی مقام ہے جو ایک سرجن کا مریض کیلئے ہوتا ہے۔ اگر سرجن حتمی رائے قائم کرلیتا ہے کہ مریض کیلئے آپریشن ضروری ہے تو وہ مریض کے تمام رشتہ داروں کی رضامندی کا انتظار نہیں کرتا۔ مریض کی شفا کو مد نظر رکھتے ہوئے آپریشن کر دیتا ہے۔ تاخیر سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اکثریت کا خوف

اپنی معروضات ختم کرنے سے پیشتر میں قوم کی توجہ اس حقیقت کی طرف ایک مرتبہ پھر مبذول کرانا چاہوں گا کہ پاکستان کا اصلی مسئلہ COMPLEX MAJORITY FEAR ہے۔ جہاں تک ECONOMIC POTENTIALITIES کا تعلق ہے تو خدا کے فضل سے پاکستان کا مستقبل نہایت شاندار ہے حالانکہ انگریز اور ہندو اعلانیہ کہتے تھے کہ Pakistan will collapse after six months because it was not economically viable.

"صوبوں کی تشکیل نو" سے پاکستان کو رنگ برنگے پھولوں کا ایک خوشنما اور محبت باہمی کی خوشبو سے معطر گلدستہ بنایا جاسکتا ہے۔ خداوند کریم نے سورۃ الرحمٰن میں جن جن نعمتوں کا ذکر کیا سب پاکستان کو عطا کی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ہم ان سے استفادہ حاصل نہیں کرتے۔

فبای الاء ربکما تکذبن

(پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے)

بقیہ جماعت کا یہ حشر

ارکان تو صرف disposable پیادے ہیں جن کا کام صرف بلا چون و چرا اپنے امیر کے احکام کی تعمیل کرنا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جماعت کے دستور کی تازہ ترین کاپی پڑھ کر میرے پسینے چھوٹ گئے۔

اقتدار کا کس قدر ارتکاز ہے امیر میں! امیر نہ ہوا جماعت کا خدا ہوا۔ مولانا مودودیؒ خود داعی تھے اور جماعت کے بانی تھے۔ یہ اختیارات کا ارتکاز شاید ان کے لئے صحیح ہو لیکن ان کے بعد امراء کے لئے کسی طرح درست نہیں۔

دستور پڑھ کر مجھے یہ اطمینان ہوگیا کہ قاضی صاحب اگر ارکان کی اکثریت کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے' اگر شوری میں اپنی پالیسیوں کے مخالفین کو بولنے نہیں دیتے' اگر ارکان کے سامنے جوابدہی اور ارکان کے احتساب کو ذاتی توہین سمجھتے ہیں تو جماعت کے دستور کے لحاظ سے وہ بالکل حق پر ہیں۔ غلط تو وہ ارکان ہیں جو چاہتے ہیں کہ ان کی بھی سنی جائے' غلط تو وہ ارکان شوری ہیں جو سمجھتے ہیں کہ رکن شوری کی حیثیت سے ان کی رائے کو بھی اہمیت دی جائے۔

منصورہ میں لوگ بڑی اونچی ہواؤں میں ہیں لیکن میری پیش گوئی ہے کہ فرنٹ کو اتنے ووٹ بھی نہیں ملیں گے جتنے جماعت کو ۷۰ء میں ملے تھے۔ آپ کے ووٹ بینک کی اکثریت نواز شریف کو ووٹ دے گی۔ آپ کا حلقہ اثر فرنٹ کو پیسے نہیں دے رہا' آپ کے کارکن ان کے لئے کام نہیں کر رہے' آپ کے ارکان کی بڑی تعداد فرنٹ کے نمائندوں کو ووٹ نہیں دے گی۔ جو کام جابر سے جابر ڈکٹیٹر بھی نہ کرسکا' وہ ہمارے قائدین نے کردیا۔ ولی خان نے بالکل درست کہا کہ قاضی صاحب جماعت اسلامی کے گورباچوف ہیں۔

بلا شبہ ہر شے فانی ہے۔ کاش میرے سامنے جماعت کا یہ حشر نہ ہوتا۔ ان شاء اللہ روز حشر مولانا مودودیؒ مرحوم کے ساتھ مل کر ہم بھی موجودہ قیادت کا گریبان پکڑ کر پوچھیں گے کہ دنیا کی سب سے موثر تحریک اسلامی کو ختم کیوں کیا۔

والسلام

محبوب الہی

He viewed that if only a few points were changed in the capitalist economic system all its basis would be turned into an Islamic system.

He proposed that first of all Riba (interest) should be eliminated from the system so as to change it into Islamic one.

He paid tributes to the Federal Shariat Court for giving verdict against Riba and showed resentment that the then Nawaz Sharif's government challenged it in the higher court.

He also stressed that gambling should also be eradicated from the society.

Dr Israr Ahmad stressed that while keeping the fundamentals of Islam intact the Muslim should also move along the society and proudly claim to be fundamentalist.

He asked the audience to adopt higher technology and stressed that Atomic Technology was the gift of Allah Almighty, so if Pakistan had the capability it should acquire nuclear technology, irrespective of the western pressure.

While defining khilafat he said that it was just the opposite of sovereignty. The caliph got limited powers and had to act in accordance with the injunctions laid upon him by the absolute sovereign, Allah Almighty. He quoted various verses of Iqbal's poetry in support of his arguments and said that Iqbal used his poetry for making the Muslims aware of Islamic injunctions. He said that practically Khilafat was the right of those persons who accept the absolute sovereignty of Allah. He deduced that only Muslims could be Caliph as only he submits and surrenders himself to Allah. He added that all the prophets were viceroys of Allah and at that time it was individual Khilafat but after the last prophet Hazrat Muhammad (PBUH) it changed into popular Khilafat, after which the monarchy system prevailed among the Muslims. The Muslims, he added, remained dominated for nearly one thousand years over the world in science, technology and development and even the present progress of west was based on the achievements of Muslims.

Tuesday, December 14, 1993

Dr Israr opposes UN role in Kashmir solution

Says Pakistan must go nuclear

The country's leading and well known religious scholar Dr Israr Ahmad has stressed upon the government to come out with an open, clear and unambiguous stand on the nuclear issue without any further reservations and succumbing to pressure, reports PPI.

Addressing a news conference here on Monday Dr Israr urged the government to go ahead with its nuclear programme without any fear to utilise this capability both to make nuclear weapons and to use it for peaceful purposes in other vital sectors.

Flanked by his associates Dr Mohammad Iqbal Safi, Ashfaq Mir and a few others, he felt that the nuclear issue was being exploited by opposition and opined that both the government and the opposition, in fact, had identical policy on this matter.

He said that the current situation demanded that the government should make it open. He also said that government must take the masses into confidence which, in his view, would be, beneficial to awaken public's suppressed sentiments and spirit.

Commenting over Kashmir issue, Dr Israr said it would be better not to involve the United Nations in settling the dispute with India and suggested that the conflict be resolved through negotiations by involving brotherly country of Iran and other regional states.

Opposing any role by the UNO, in this respect he said the world body had been serving the American interests therefore, it should not be wise to seek its help. He claimed, it is dominated by the United States, which herself is under immense influence of the Jews. "Any settlement whatsoever under the UN or the Americans will be disastrous", he opined.

Referring to Iran's offers for mediation on the eve of Prime Minister Benazir Bhutto's recent visit to Teheran, he said it would be quite appropriate to allow Iran to play its role in seeking negotiated settlement to Kashmir problem.

Appreciating the Federal Shariat Court's verdict whereby it had declared Riba (interest) as un-Islamic, Dr Israr asked the government to withdraw the appeal filed by the previous Nawaz Sharif's government against the FSC's judgement.

He said the historic judgement of the court must be implemented in letter and spirit as it would go a long way to benefit us in financial transactions and also help relieve the country from undue burden and complications in the monetary matters.

Meanwhile, Dr Israr will deliver an extensive lecture at Nishtar Hall this evening.

The topic of his lecture will be the "constitutional structure of a state in present age".

پریس ریلیز

۱۹۹۴ء

جدید سامراجی شکنجے میں کسے جانے سے بہتر ہے کہ ہم ایران جیسے دوست ملک کی مدد سے کشمیر پر براہ راست بھارت سے بات کرلیں

لاہور۔ ۱۰ دسمبر: امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ کشمیر کو اقوام متحدہ کے سپرد کر دینے میں ہمارے لئے شدید خطرات پوشیدہ ہیں کیونکہ یہ عالمی ادارہ امریکہ کا بے دام غلام بن چکا ہے جو خود اپنی جگہ عالمی صیہونیت کا آلہ کار ہے۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطاب جمعہ میں انہوں نے خبردار کیا کہ جو امریکی تجاویز اخبارات میں گردش کر رہی ہیں ان پر عملدر آمد ہوا تو اس علاقے کے قلب میں بھی صیہونیت کا خنجر پیوست ہو جائے گا اور اس ازیت سے ہم براہ راست بھی دوچار ہوں گے جس میں عالم عرب ۴۵ سال سے مبتلا چلا آ رہا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ امریکہ کی استعماری مصلحتوں کے گرداب میں پھنسنے سے بہتر ہے کہ ہم بھارت سے مذاکرات کا دروازہ کھولیں اور ایران جیسے اپنے کسی بہی خواہ ملک کی مدد سے ایک ایسے حل تک پہنچنے کی کوشش کریں جو ہمارے اور کشمیری مسلمانوں کے حق میں کم سے کم ضرر رساں ہو۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ہمیں تو آپس کی لڑائی سے ہی فرصت نہ ملی جو اس طرف توجہ دیتے لیکن بھارت نے اس دوران میں ایران سے قریبی روابط اور وسیع تر تجارتی تعلقات استوار کر لئے ہیں جن کے باعث اب یہ برادر ملک بھارت پر اثر انداز ہونے کی حیثیت میں آ گیا ہے جبکہ کشمیر کے مسئلہ پر ایران کی بے لچک حمایت پر بھی ہم اعتماد کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے انجیل میں یوحنا کے ایک مکاشفہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس میں کئی سروں اور بہت سے ہاتھ پیروں والے ایک درندے پر ایک عورت کو سوار دکھایا گیا ہے جو قیامت کے قریب خلق خدا پر اسی طرح قہر بن کر نازل ہوگا جیسے ہمارے محکم دینی تصورات کے مطابق دجال غارت گر ایمان بنے گا اور یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ وہ درندہ نیو ورلڈ آرڈر والا امریکہ ہے جس کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے۔ اس پر سوار صیہونیت کو عورت سے تشبیہ دینے میں یہ لطیف اشارہ موجود ہے کہ یہودی کبھی سامنے سے وار نہیں کرتے اور خود قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ دیواروں کے پیچھے چھپ کر سنگ باری کرنے والے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ کشمیر کو صیہونیت کا اڈا بنانے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر براہ راست مذاکرات یا ایران جیسے کسی دوست ملک کی مصالحت سے کوئی قابل قبول حل نہ نکلے تو کشمیر کی آزادی کے لئے کھلا جہاد ہی ہمارے لئے واحد باعزت راستہ ہے جس کے لئے ہمیں اللہ پر توکل اور اپنے زور بازو پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ زور بازو کی علامت آج کے دور میں جدید ترین ہتھیار ہیں اور اسی حوالے سے ہم چاہتے ہیں کہ اپنی ایٹمی صلاحیت کے معاملے میں پاکستان کو عالمی استعمار کے دباؤ کو برداشت کرنے کے قابل ہونا چاہئے۔ ہمارا جوہری پروگرام پرامن مقاصد ہی نہ پورے کرے بلکہ اس کا ہر وہ استعمال کیا جائے جس سے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے دلوں پر ہمارا رعب طاری ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کی دھمکیوں میں نہ آنے کی وجہ سے اگر ہم پر بیرونی امداد کے دروازے بند ہو جائیں تو یہ زحمت نہیں بلکہ رحمت ہوگی کیونکہ اپنے وسائل کے بھرپور استعمال کی ضرورت ہماری مجبوری بن جائے گی اور سود کی لعنت سے جان چھڑانا بھی ممکن ہو گا جو بیرونی اقتصادی امداد کا لازمی جزو ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ سب سے پہلے ہم اپنے ان سود خوروں کو کورا جواب دیں گے جنہیں اس ملک میں رہنے اور یہاں کے وسائل پیداوار کے ذریعے دولت سمیٹنے کے باوجود دفاع جیسی قومی ضروریات کے لئے بھی رقم دیتے ہوئے "منافع" کی امید ہوتی ہے۔ سود پر تین حرف بھیجنے کی ابتدا گھر کے اندر سے ہونی چاہئے۔ گھر والوں کا صرف راس المال واپس کیا جائے اور وہ بھی سہولت کے ساتھ تاکہ قومی منصوبوں کے جاری رہنے میں مشکل درپیش نہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ جنگ بندی ان شاء اللہ ہمارے لئے خیر و فلاح کا باعث ہوگی۔ OO

معاشی عدل و قسط کے بغیر حقوق انسانی اور خود جمہوریت بھی ایک دھوکہ ہے' فریب ہے

لاہور۔ ۱۷ دسمبر: ڈاکٹر اسرار احمد' امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان نے کہا ہے کہ جس معاشرے میں معاشی عدل و قسط نہ ہو اور اس سبب سے وہ مترفین اور محرومین کے طبقات میں تقسیم ہو چکا ہو' وہاں حقوق انسانی کی بات کرنا بے محل اور لایعنی ہے۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اجتماع جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایسے معاشرے میں تو سرمایہ داروں اور مترفین کی آمریت ہوتی ہے جبکہ ہمارے یہاں یہ آمریت جاگیرداروں کی ہے۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)